لوک کتاب

کشمیری لوک کہانیاں



لوک ورثہ کا قومی ادارہ
اسلام آباد

ترتیب

پہلی بات

اردو میں کشمیری لوک کہانیوں کی یہ پہلی کتاب ہے۔ لوک ورثہ کے قومی ادارے نے کشمیری لوک کہانیوں کو جمع کرنے کا کام چند سال پہلے شروع کیا تھا۔ طاؤس بانہالی نے گاؤں گاؤں گھوم کر یہ کہانیاں عام لوگوں سے سنیں اور انہیں عام سیدھے سادے اور کہانی سنانے کے انداز میں تحریر کیا۔ یہ سب کہانیاں کشمیری عوام میں مقبول ہیں اور دلچسپی سے سنی جاتی ہیں لیکن یہ بھی کہنا پڑے گا۔ کہ اب کہانیاں سننے اور سنانے کا رواج آہستہ آہستہ ختم ہوتا جا رہا ہے۔

قدیم دور کے کشمیر میں داستان گوئی کی روایت بڑی توانا اور جاندار تھی یہاں تک کہ کشمیری بھاٹ اور راس دھاریئے بھی نقلیں کرنے کے ساتھ ساتھ لوک کہانیاں اور داستانیں گا کر سناتے اور ڈرامے کے انداز میں پیش کیا کرتے تھے۔ صرف کشمیر میں ہی نہیں بلکہ سردیوں کے موسم میں یہ لوگ گرم علاقوں کی طرف آجاتے اور اپنے فن سے لوگوں کے دل جیت لیا کرتے تھے۔ یہ داستان گو ایک ادارے (INSTITUTION) کی حیثیت رکھتے تھے اور انہیں کہانی سنانے کے فن میں کمال حاصل تھا۔ آج کل آزاد کشمیر میں بہت کم گاؤں ایسے ہیں جہاں داستان گو، خاندان سے تعلق رکھنے والے افراد رہائش پذیر ہیں۔ لیکن وہ بھی اپنے آبائی پیشے کو چھوڑ چکے ہیں اور محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ کچھ زیرِ تعمیر عمارتوں کے لئے اینٹیں اٹھاتے ہیں۔ کچھ اپنا گاؤں چھوڑ کر شہروں میں آگئے ہیں اور ہوٹلوں

یں کام کرتے ھیں جو اپنے گاؤں میں رہتے ہیں وہ بید یا دوسرے درختوں کی لچکیلی شاخوں سے کانگڑیاں، ٹوکریاں اور دوسری چیزیں تیار کرتے ہیں اور اسی مناسبت سے انھیں" شاخسار" کہا جاتا ہے۔ مگر اب بھی جہاں کہیں کوئی شادی ہوتی ہے یہ لوگ شہنائیاں بجاتے ہیں اور رات کو محفل جمتی ہے تو ان سے کہانی سنانے کی فرمائش کی جاتی ہے اور وہ وچار ڈال کر منظوم کہانیاں اور داستانیں گا کر سناتے ہیں۔

کشمیری داستان گوئی کی تاریخ میں سب سے بڑا نام حاتم تیلی کا ہے۔ حاتم تیلی نے پہلی جنگ عظیم کے زمانے میں وفات پائی۔ کہا جاتا ہے اس وقت اس کی عمر اسی برس کے لگ بھگ تھی۔ آزاد کشمیر میں اب تک بیشتر کہانیاں حاتم تیلی کے حوالے سے ہی سنی اور سنائی جاتی ہیں دراصل حاتم تیلی ایک روایت ہے اور اس کتاب میں شامل بیشتر کہانیاں بھی اسی کی سنائی ہوئی ہیں اور نسل در نسل منتقل ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی ھیں۔

ان کہانیوں کے ذریعے ابتدا سے لے کر آج تک کشمیر میں اہم مذہبی تبدیلیوں اور مختلف قوموں کے تہذیبی رویوں اور اعتقادات کا اندازہ ہوتا ہے۔ مختلف اعتقادات کا ادغام اور مذہبی تضاد دراصل اسلامی تہذیب کے ظہور کے لئے راہ ہموار کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ ان کہانیوں سے اس FOLK WISDOM کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ جس کے ذریعے لوگ بڑے سے بڑے مسائل آسانی سے حل کر لیا کرتے تھے۔ یہ کہانیاں عام لوگوں اور SOCIAL SCIENCES کے طالب علموں کے لئے مفید اور رہنما ثابت ہوں گی۔

مظہر الاسلام۔

کش دیو اور میر پری

روایت ہے کہ حضرت سلیمان کے زمانے میں اُن کے ایک فرماں بردار دیو نے اپنی خدمات کا صلہ یوں چاہا کہ اُسے ایک پری کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت دی جائے۔ اس دیو کا نام کشؔ تھا اور اس کی حسین محبوبہ میر پری کہلاتی تھی۔ ان دونوں نے کوہِ سلیمان کو عبور کر کے وادی میں قدم رکھا اور سلیمان کی چوٹی یا تختِ سلیمان کو اپنا مسکن بنایا۔ جہاں اب سرینگر کا شہر آباد ہے۔ کشؔ اور میرؔ کے اِسی جوڑے کے ناموں کی مناسبت سے اژدھے کی جھیل کا نام کشمیرؔ مشہور ہُوا۔ لیکن اژدھے نے حضرت سلیمان کے ان دونوں نام لیواؤں کو کبھی بھی چین سے نہیں رہنے دیا..... کشؔ دیو اور میرؔ پری اس اژدھے سے بہت نالاں تھے اور اُنہوں نے خدا سے دُعا مانگی کہ اللہ تعالیٰ حضرت سلیمان کے صدقے اس اژدھے کو فنا کر دے.... ایک دن دعا کرتے کرتے دونوں کی آنکھ لگی تو خواب میں ایک غیبی آواز سنائی دی کہ ایک بزرگ اژدھے کی وادی میں آکر اُسے رام کرے گا.... پھر یُوں ہُوا کہ اچانک اژدھا غائب ہو گیا۔ کشؔ دیو اور میرؔ پری نے کھوج لگایا تو معلوم ہُوا کہ پہاڑ کی اونچی چوٹی پر گھنے جنگل میں ایک

بزرگ بیٹھے عبادت کر رہے ہیں اور اژدھا موم ہو کر اُن کے قدموں میں سر جھکائے بیٹھا ہے ....

بزرگ نے اژدھے کو حکم دیا کہ وہ حضرت سلیمان کے ان نام لیواؤں کو وادی میں رہنے کی جگہ دے لیکن اژدھا بولا کہ حضور میں تو فقط آپ کا خادم ہوں کہ آپ اشرف المخلوقات ہیں۔ آپ میرے ساتھ چل کر جہاں بھی چاہیں قیام فرما یئے، میں آپ کی خدمت کرتا رہوں گا۔ تب ان بزرگوار نے کشپ اور میر سے کہا کہ وہ اسی جنگل میں قیام کریں اور کل صبح یا شام کے وقت پہاڑ کی اونچی چوٹی سے وہ منظر دیکھیں جو انہیں تختِ سلیمان یعنی موجودہ سرینگر میں یہاں سے صاف دکھائی دیگا۔

یہ کہہ کر وہ بزرگ اژدھے کی پیٹھ پر سوار ہو کر سرینگر کی طرف چل دیئے۔ اژدھے نے کہا کہ حضور اگر آپ ساری عمر یونہی میری پیٹھ پر گزار دیں تو یہ میرے لئے بہت بڑی سعادت ہوگی۔ روحانی بزرگ نے کہا کہ میرے پاؤں مٹی پر ہونے چاہئیں کیوں کہ میں اُسی صورت میں اپنی عبادت کا سلسلہ جاری رکھ سکتا ہوں۔ اژدھے نے اپنی دُم کو پانی پر زور سے مارا، اور اُس جگہ کی زمین خشک ہو گئی۔ اُنہوں نے یہاں پر صبح کی نماز ادا کی اور دُعا مانگنے میں مصروف ہو گئے۔

پہاڑ کی چوٹی سے کشپ دیو اور میر پری یہ سارا ماجرا دیکھ رہے تھے، کیا دیکھتے ہیں کہ اِن بزرگ کی روحانی قوت سے جیسے اُن کا جسم بھی پھیلتا جا رہا ہے اور اژدھا اپنی پوری قوت سے پانی کو دھکیلتے ہوئے پیچھے کی طرف کھسک رہا ہے دیکھتے ہی دیکھتے جھیل خشک ہونے لگی۔

اژدھے نے درخواست کی کہ حضور مجھے بھی اپنے قدموں میں رہنے کی اجازت دے دیجئے۔ جواب ملا کہ ہاں تم یہاں سے کچھ پرے فلاں جھیل میں رہ سکتے ہو۔ لیکن پہاڑوں اور جنگلوں پر بھی تمہارا کوئی اختیار نہیں ہوگا ـــ اور جب تک ہمالے پانچسو

نام لیوا بھی اس سرزمین پر باقی رہیں گے تم اس وادی کو دوبارہ جھیل میں نہیں بدل سکتے ۔ ...... اس کے بعد پانچ سو بزرگوں کا ایک قافلہ آیا۔ اور انہوں نے وادی میں ڈیرے ڈالے ۔ پھر قدم قدم پر بستیاں بستی رہیں لیکن اژدھا اپنی جھیل سے باہر نہ نکلا اور نہ کبھی اُس کی اولاد نے انسانوں کو تنگ کیا۔

کہا جاتا ہے کہ چشموں میں پائی جانے والی مچھلیاں بھی اِسی اژدھے کی اولاد ہیں۔ اِسی لئے چشمے کی مچھلی کا شکار بھی ہم لوگوں پر حرام ہے۔

من کی جوت

یہ اُس زمانے کی بات ہے جب کشمیر پر ترک مہاراجوں کا راج تھا اور مہاراجہ کا مذہب عام لوگوں سے مختلف تھا..... مہاراجہ کا ایک وزیر حکمران سے بہت متاثر ہوا، اور اُس نے وہی مذہب اختیار کیا، اِس بات پر وزیر کا بیٹا اپنے باپ سے بہت ناراض تھا اور وہ بات بات پر اپنے باپ کو ٹوکتا تھا۔ وزیر کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آتا تھا کہ وہ کیا کرے اور کیوں کر اپنے بیٹے کو سمجھائے کہ ہر مذہب سچائی کی تلقین کرتا ہے، بات صرف اس پر عمل کرنے والوں کے اعمال کی ہے کہ وہ پیار محبت کا رویہ اختیار کرتے ہیں یا نفرت کی آگ بھڑکاتے ہیں۔ ایک دن اکلوتے بیٹے نے اپنے باپ کو یہ دھمکی دی کہ اگر اُس نے ترک حکمران کا مذہب ترک نہ کیا تو وہ گھر چھوڑ کر کہیں چلا جائے گا۔ وزیر بہت پریشان ہوا، اور اُس نے اپنی اس پریشانی کا اظہار بادشاہ کے سامنے کیا۔ بادشاہ نے کہا کہ تم اپنے بیٹے کو میرے سپرد کر دو اور یہ کہہ کر دو سواروں کو حکم دیا کہ وزیر کے بیٹے کو گرفتار کیا جائے۔ پیادے اُسے گرفتار کر کے لائے تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کی گردن اُڑادی جائے۔ یہ سُن کر وزیر زادہ بادشاہ کے پاؤں پڑا، اور

اس کا باپ بھی منت سماجت کرنے لگا کہ "اس کی جان بخشی کیجئے، مجھے یقین ہے کہ اب یہ سیدھی راہ پر آئے گا"۔ بادشاہ نے کہا کہ میں تمہیں ایک مہینے کی مہلت دیتا ہوں، اگر ایک مہینے میں تمہارا بیٹا سیدھی راہ پر آیا تو اس کی جان بخشی ہو سکتی ہے۔

ایک ماہ کا عرصہ گزرنے پر دونوں باپ بیٹے بادشاہ کے سامنے حاضر ہوئے، تو بیٹے کی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی تھی۔ وہ بادشاہ کے پاؤں پڑا، اور کہنے لگا کہ مجھے اپنی جان پیاری نہیں لیکن خدا کے لئے میرا وہ جُرم بتا دیجئے جس کی وجہ سے مجھے موت کی سزا دی جا رہی ہے۔ اس ناکردہ گناہ پر موت کی سزا ملنے کے معاملے میں سوچتے سوچتے میری نیند حرام ہو گئی ہے، حالانکہ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ بادشاہ نے مسکراتے ہوئے کہا کہ برخوردار میں تمہیں موت کے خوف کا نظارہ کروانا چاہتا تھا۔ اب تم پر یہ بات واضح ہو گئی ہو گی کہ موت کا خوف موت سے زیادہ اذیت کا باعث ہوتا ہے؟ کیا تم اس خوف سے نجات پانے کے لئے ایسا مذہب اختیار کرنا چاہو گے جو اذیت کے اس زہریلے درخت کو جڑ سے اکھاڑ دے"؟۔ وزیر زادے نے کہا کہ میں یقیناً اس خوف سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہوں لیکن جو مذہب مجھے اس سے نجات دے سکتا ہے۔ اُس کی تفصیل سے آگاہ ہونا بھی میرے لئے ضروری ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ اس تفصیل سے آگاہ ہونے کے لئے تمہیں کچھ دن میرا مہمان بن کر رہنا ہو گا اور یہ کہہ کر حکم دیا کہ وزیر زادے کو شاہی محل کے مہمان خانے میں رکھا جائے۔

ایک خنک شام کو بادشاہ نے ایک جلتی ہوئی شمع یہ کہہ کر وزیر زادے کے ہاتھ میں تھما دی کہ یہ شمع ہاتھ میں لے کر تمہیں شاہی محل سے اپنے گھر تک سرپٹ بھاگنا ہو گا اور تم اُلٹے پاؤں دوڑ کر واپس آ جاؤ گے۔ اِس دوران میں اگر یہ شمع راستے میں ہوا سے بُجھ گئی تو تمہاری زندگی کا چراغ بھی گُل کر دیا جائے گا۔ حکمِ حاکم مرگِ مفاجات۔

کے مصداق وزیر زادے نے کانپتے ہاتھوں سے شمع کو تھاما اور اپنے گھر کی طرف بھاگا۔ ڈھنڈھورا اُس کا اس غرض سے تعاقب کر رہے تھے کہ کہیں وزیر زادہ راہ میں اِدھر اُدھر نہ دیکھے یا ٹھہر کر کسی سے بات نہ کر پائے۔ جونہی وزیر نے اپنے بیٹے کو گھر کی طرف آتے دیکھا تو وہ بیٹے سے ملنے کو آگے بڑھا لیکن بیٹا چلّا کر بولا کہ ابّا جان مجھے ہاتھ نہ لگائیے۔ اگر میں اُلٹے پاؤں بھاگ کر محل میں جلتی ہوئی شمع لے کر واپس نہ پہنچ سکا تو میری گردن اُڑا دی جائے گی۔ یہ کہہ کر وزیر زادہ واپس محل تک پہنچا اور مجسّم بُت بن کر حکمران کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

وزیر زادے کو یُوں بے حس و حرکت دیکھ کر بادشاہ نے بڑے اطمینان سے پوچھا۔ "کہو سفر کیسا رہا اور کس کس سے ملاقات ہوئی"۔ وزیر زادہ بولا کہ "سرکار مجھے شمع کے بُجھنے کا اِتنا خوف تھا کہ آنے جانے کی کیفیت یا اِرد گرد کے ماحول کا کوئی ہوش ہی نہ رہا۔" "شاباش"۔ بادشاہ نے کہا۔ "یہی سبق سکھانے کے لئے میں نے تمہیں چراغ لے کر ہوا کے سامنے روانہ کیا تھا کہ تمہاری نظر صرف شمع پر مرکوز رہے اور تم گرد و پیش کے ماحول سے بے نیاز ہو جاؤ۔ یہی سبق مجھے میرے مذہب نے سکھایا ہے۔ میرا مذہب مجھے خوف سے بے نیاز ہو کر ایک ازلی اور ابدی سچائی پر اس طرح دھیان دینے کی تلقین کرتا ہے کہ میں دُنیا کے باقی دکھوں اور سکھوں سے بے نیاز ہو جاؤں۔ وزیر زادہ بادشاہ کے اِس عملی مظاہرے سے اِتنا متاثرہ ہؤا کہ اُس نے بادشاہ کے قدموں میں گر کر اُسے اپنا ہم مذہب بنانے کی درخواست کی۔ یوُں باپ بیٹے کا جھگڑا بھی مِٹا اور وزیر زادہ دُنیا کے دوسرے جھگڑوں سے بھی آزاد ہو گیا۔

راوی کہتا ہے کہ ایسے ہی موقع پر کشمیر میں لوگ للّہ دیدی کا یہ اشلوک گاتے ہیں ؎

روتے روتے جیوَن جائے
مگن ہو مَن کی جوت جگائے

یوں مِل پائے نہ من کا چَین
چھوڑ بھی دے یہ گیدڑ بَین

چرار شریف کے ریشی بابا

کشمیر کی مختلف زیارتوں کے مجاور صدیوں سے نذر نیاز وصول کر کے خوشحال زندگی گزارتے چلے آئے ہیں۔

اچھے اور بُرے لوگ کہاں نہیں ہوتے لیکن اِن مجاوروں میں اگر کوئی بُرا آدمی بھی ہو تو اُسے اُس کی برائیوں کے باوجود اچھی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ ایسے ہی ایک مجاور کی کہانی چرار شریف کی درگاہ سے وابستہ ہے۔

روایت ہے کہ چرار شریف کی درگاہ کے ایک مجاور صاحب بھولے بھالے لوگوں کو لُوٹنے کے فن میں بہت ماہر تھے۔ ایک روز کسی گاؤں کا ایک دولت مند آدمی اُن کے پاس آیا، جو اولاد کی دولت سے محروم تھا۔ اس دولت مند آدمی نے مجاور کے ہاتھ پر ایک روپیہ رکھتے ہوئے کہا کہ ریشی بابا تم جو ہمیشہ آتے جاتے مجھ سے نذرانہ وصول کرتے ہو کبھی تو میرے حق میں اولاد کی دولت کے لئے بھی دعا کرو۔

ریشی بابا بولے کہ خواجہ صاحب ایک روپے میں تو صرف شیرینی ملے گی، ہاں ایک سو روپیہ نذر کرو، تو انشاءاللہ بیٹے کی آرزو بھی پوری ہو گی۔ نہ جانے کون سی ساعت

تھی کہ خواجہ صاحب نے تھیلی کا مُنہ کھول کر ریشی بابا کو ایک سو روپے نذر کئے اور درگاہ کی جالی پکڑ کر ٹوٹے دل کے ساتھ زار و قطار رونے لگا۔ ریشی بابا یہ حالت دیکھ کر خود بھی رو پڑے اور اُنہوں نے دل ہی دل میں دعا کی کہ اگر اللہ میاں اس آدمی کو اولاد دے تو میں ایک سو روپے کی اس نذر کا چوتھا حصہ اللہ کے نام پر خیرات کر دوں گا۔

شام کو ریشی بابا اپنے گھر جانے لگا تو راستے میں تین اندھے بھکاریوں کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا۔ ریشی بابا کا جی چاہا کہ دولت مند آدمی کی نذر کا چوتھا حصہ اِن ہی مستحق بھکاریوں میں بانٹ دے لیکن پھر نہ جانے کیا خیال آیا کہ اِن بھکاریوں سے اُن کا نام پتہ پوچھنے لگا۔ معلوم ہُوا کہ یہ تینوں بھکاری اُسی گاؤں کے رہنے والے ہیں جو اولاد کی بھیک مانگنے والے دولت مند کی جاگیر ہے۔ ریشی بابا نے اِن اندھے بھکاریوں سے پُوچھا کہ کیا اُس گاؤں کا مالک اُن کے لئے کسی مستقل روزگار کا بندوبست نہیں کرتا؟ تینوں بھکاری بولے کہ "بابا اُس ظالم کی آنکھوں پر تو دولت کا پردہ پڑا ہُوا ہے۔ اسی لئے تو شائد اللہ میاں نے اُسے اولاد کی دولت سے محروم رکھا ہے ......"

ریشی بابا نے نذرانے کی تھیلی کو دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے اندھے بھکاریوں کو ایسی خیال آرائی سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں دوسروں کے بارے میں ایسے فتوے لگانے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ خدا جانے وہ آدمی جسے ہم بُرا کہتے ہیں کوئی نیکی کا پُتلا ثابت ہو، پس ہمیں چاہیئے کہ کسی کا بُرا نہ چاہیں۔ کیا معلوم کہ وہ آدمی صرف اولاد نہ ہونے کی وجہ سے مردم بیزار دکھائی دیتا ہو۔ آؤ ہم چاروں مل کر دعا کریں کہ اللہ میاں تمہارے گاؤں کے مالک کو اولاد کی دولت سے مالا مال کرے ..... اور اگر اللہ تعالےٰ نے ہماری دُعا سُن لی تو میں خود تمہارے گاؤں آکر خواجہ صاحب سے تمہارے لئے کسی مستقل روزگار کا بندوبست کرنے کو کہوں گا۔

یہ کہہ کر ریشی بابا نے تینوں اندھوں کو ایک مسجد میں بٹھا کر تھیلی میں سے پچیس روپے

نکالتے ہوئے کہا کہ یہ رقم تم تینوں بھائی آپس میں بانٹ لو۔

اس سے پہلے کہ ریشی بابا اپنی بات ختم کرتا۔ تینوں اندھے اُس پر جھپٹ پڑے اور چیخ چیخ کر انصاف کی دُھائی دینے لگے ـــ گاؤں والے شور سُن کر مسجد کی طرف بھاگے تو ریشی بابا کو تین اندھوں کے درمیان گِھرا ہوا پایا ـــ اندھے بھکاری کہہ رہے تھے کہ ریشی بابا ہم سے ہماری ساری پونجی چھیننا چاہتا تھا اور ریشی بابا کی بدحواسی سے گاؤں کے لوگوں کو اس بات کا یقین آگیا کہ وہ اِن اندھے بھکاریوں کو لُوٹنا چاہتا تھا ـــ گاؤں والے اندھوں سے ہمدردی کا اظہار کر رہے تھے اور ریشی بابا کو لوگوں کی نظروں میں نفرت اور حقارت کی تحریر صاف نظر آرہی تھی۔

اس واقعہ کو گزرے ہوئے کوئی ایک سال کا عرصہ ہوگیا اور لوگ اِسے بھول بھی گئے ـ لیکن ریشی بابا کا دِل انتقام کی آگ میں جلتا رہا ـــ ایک دن ریشی بابا کو دولتمند آدمی کا یہ پیغام ملا کہ اُسے اللہ تعالےٰ نے اولاد کی دولت سے نوازا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ ریشی بابا خوشی کی اس تقریب میں شرکت فرمائیں۔

ریشی بابا دولت مند آدمی کے گاؤں گئے اور نذر نیاز سے بھری ہوئی تھیلی لے کر واپس آئے ـ راستے میں اُنہیں پھر اندھے بھکاریوں سے انتقام لینے کا وعدہ یاد آیا، اور انہوں نے واپس جا کر اندھے بھکاریوں کا ٹھکانہ معلوم کر لیا ـ یہ تینوں اندھے بھکاری گاؤں کے سرے پر ایک ٹوٹے پھوٹے مکان میں رہتے تھے ـ ریشی بابا نے اس مکان میں داخل ہو کر خالص دیہاتی لہجے میں آواز دے کر کہا کہ "اے اندھے بھکاریو! یہ خیرات کی رقم لے لو، اور جاگیردار صاحب کے نومولود بیٹے کے حق میں دعا کرو، یہ کہہ کر ریشی بابا نے نقدی کا تھیلا بھکاریوں کی طرف پھینکا اور خود بظاہر واپس چلا گیا ـ لیکن وہ دروازے کی اوٹ میں کھڑا بھکاریوں کا جائزہ لیتا رہا ـــ ایک بھکاری تھیلی کو کھول کر رقم گننے لگا۔ دوسرے آدمی نے قہقہہ لگا کر کہا کہ آج چرار شریف کے ریشی بابا بھی کہیں سے نکل آتے

تو شاید ہماری رقم دوگنی کر دیتے ...... تیسرا اندھا جو نماز پڑھ رہا تھا اسلام پھیر کر بولا کہ یہ رقم بھی میرے پیرہن (اُونی چوغہ) میں رکھو ...... یہ کہہ کر اس نے اپنا چوغہ دو اندھوں کی طرف پھینکا ۔ اب ریشی بابا سے ضبط نہ ہو سکا اور انہوں نے لپک کر ایک ہاتھ چوغے پر مارا، اور دوسرے ہاتھ سے دونوں اندھوں کے درمیان پڑی ہوئی تھیلی اُٹھالی ۔

ریشی بابا تیزی سے باہر آئے لیکن ابھی شاید اُن کے انتقام کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی ۔ وہ پلٹ کر ٹوٹے پھوٹے مکان کے دروازے تک گئے اور چلّا کر بولے ...... اندھے بھکاریو! یہ رقم مجھ پر حلال ہے، کیونکہ تم نے میری حلال رقم کو نہ صرف حرام بنایا بلکہ مجھے میرے گاؤں کے لوگوں کی نظروں میں لٹیرا بھی ثابت کیا ...... یہ کہہ کر ریشی بابا تینوں اندھوں کو چیختے چلاتے چھوڑ کر اپنے گاؤں واپس آ گئے ۔ اس کے بعد اندھے بھکاریوں نے کبھی بھی چرارِ شریف آنے کی جسارت نہیں کی، اور ریشی بابا مدتوں تک یہ داستان بڑے فخر سے گاؤں والوں کو سُناتے رہے ۔

خواجہ محمدو کے انڈے

محمدو ایک معمولی سا کشمیری دیہاتی نوجوان تھا، جس کے ماں باپ لڑکپن میں ہی مر گئے تھے۔ تھوڑی سی زمین جو ماں باپ کی طرف سے ورثے میں ملی تھی، اُس قرضے کا سُود چکانے کی نذر ہو گئی، جو اُس کے والدین کی تجہیز و تکفین پر گاؤں کے ساہوکار سے حاصل کیا گیا تھا۔ گھر میں کوئی ایسی جائیداد بھی نہ تھی، لے دے کے کچھ ٹوٹے پھوٹے برتن تھے جو ایک ایک کر کے ہمسایوں کے گھر پہنچ گئے، آخر میں صرف ایک کٹورا باقی بچ گیا، جو محمدو کی شخصیت کا حصہ بن گیا، اور عرصے تک لوگ اُسے محمدو کٹورا کے نام سے پکارتے رہے — ہوتا یوں تھا کہ کوئی ہمسایہ عورت محمدو کو اپنے گھر سے گزرتا دیکھ کر آواز دیتی — "ارے محمدو، ذرا اپنا کٹورا لے کر آنا، تجھے رات کا بچا ہُوا سالن دے دوں......" کوئی دوسری عورت کھڑکی سے آواز دیتی — محمدو ذرا اپنا کٹورا لے آ، تھوڑی سی چائے پڑی ہے پتیلے میں"...... یوں وہ محمدو کٹورا کے نام سے مشہور ہو گیا۔ کبھی کبھار محمدو کو اس نام سے وحشت ہونے لگتی، اور وہ گھنٹوں سوچتا کہ یہ نام کس طرح گاؤں والوں کے ذہن سے محو ہو جائے۔ لیکن کوئی تدبیر نہ سوجھتی۔ آخر محمدو نے اپنے

دل پر جبر کر کے گاؤں کے مقدّم یا نمبردار کے گھر میں نوکری کر لی تاکہ لوگ اُسے "مقدّموں کا محمدو" کہہ کر پکاریں، لیکن کٹورا اُس کے نام کا ایک حصہ بن کر رہ گیا تھا۔ تنگ آکر محمدو نے کسی دوسرے گاؤں جانے کی تدبیر سوچی، لیکن ابھی وہ اُس گاؤں میں جا کر حالات کا جائزہ ہی لے رہا تھا کہ اپنے گاؤں کے کسی جاننے والے کا سامنا ہوا اور وہ دُور سے پکارا "ارے بھئی محمدو کٹورے تو کہاں گھوم رہا ہے"؟

کٹورے کا عجیب وغریب لفظ راہ چلتے بچّوں نے سُن لیا تو اُن کے کان کھڑے ہو گئے اور اُنہوں نے کٹورے کی گردان شروع کر دی۔ محمدو وہاں سے بھی ناکام لوٹا اور اپنے کٹورے کو لے کر قصبے کی طرف چل پڑا۔ بازار میں ٹھٹھیالے کی ایک دکان کو دیکھ کر وہ دکاندار کے پاس گیا اور اپنا کٹورا بیچنے کی خواہش ظاہر کی۔ دکاندار نے کٹورے کا وزن کر کے ایک روپیہ محمدو کے ہاتھ میں تھما دیا، اور محمدو خوش خوش دکان سے اُٹھ آیا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ ان پیسوں سے محمدو کون سا کاروبار شروع کرے ..... بہت سوچ بچار کے بعد اُس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ گاؤں سے انڈے خرید کر بازار میں بیچا کرے گا اور یوں محنت کر کے ایک دن امیر آدمی بن جائے گا، تاکہ کسی کو اُسے محمدو کٹورا کہنے کی جرأت نہ ہو۔

یہ سوچ کر محمدو گاؤں کی طرف چل دیا اور انڈوں کے کاروبار میں مصروف ہوا۔ اُسے سب سے پہلے ایک بیوہ کا گھر نظر آیا، اور اُس نے ہانک لگائی "انڈے بیچو"۔ گھر سے کوئی آواز نہ آئی تو محمدو نے اندر داخل ہو کر پوچھا۔ خالہ کوئی انڈے ہیں؟ — بڑھیا بولی کہ محمدو بیٹے میرے پاس تو ایک مُرغی ہے اور وہ بھی کڑک — دیکھتی ہوں شاید کہیں ہانڈی میں کوئی انڈا پڑا ہو — یہ کہہ کر بڑھیا کوٹھڑی میں سے ایک ہانڈی اُٹھا لائی جس میں دو انڈے پڑے ہوئے تھے — محمدو نے قیمت چکانے کا ارادہ کیا تو بڑھیا بولی کہ بیٹا! تم تو میرے اپنے ہو، کیا ہوا جو تمہاری ماں مر گئی ہے، میں غریب ضرور ہوں

لیکن ایسا بھی کیا کہ تم سے انڈوں کی قیمت وصول کر لوں ...... بڑھیا کی شفقت دیکھ کر محمود کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اُس نے دونوں انڈے جیب میں رکھتے ہوئے ایک روپے کا سکہ نکالا اور بڑھیا سے کہا کہ وہ یہ پیسے امانت کے طور پر اپنے پاس رکھے۔ بڑھیا نے محمود کی امانت کو اسی ہنڈیا میں رکھا جس میں انڈے رکھے ہوئے تھے، اور محمود سلام کہہ کر رخصت ہُوا۔

راستے میں محمود کو یُوں ہی خیال آیا اور اس نے دو تین گھروں میں جا کر بڑی بوڑھیوں کو سلام کیا...... اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد تان آخر انڈے پر ٹوٹتی اور محمود ایک انڈے کی فرمائش کرتا۔ شام تک محمود کے پاس پانچ انڈے جمع ہو چکے تھے۔ اب محمود اپنی کُٹیا میں آکر زبانی جمع خرچ میں مشغول ہُوا ..... "فرض کریں کہ یہ پانچ انڈے مجھ کو چار آنے میں ملے ہیں، اگر میں انہیں ایک آنے کے حساب سے بیچوں تو مجھے کتنا منافع ہوگا؟" ساری رات اسی حساب کتاب میں کٹی اور صبح سویرے محمود بازار کی طرف روانہ ہُوا۔ بازار کے پہلے ہی سرے پر ایک حلوائی کی دکان نظر آئی اور محمود نے چوروں جیسی گھبراہٹ والے لہجے میں پوچھا کہ "لالہ اگر میں نے پانچ کے حساب سے انڈے خریدے ہوں تو کس حساب سے بیچوں"۔ دکاندار بھانپ گیا کہ اسامی کیسی ہے۔ کہنے لگا۔ بھائی ایسے سودا نہیں ہوتا۔ آرام سے بیٹھ جاؤ تو حساب کر کے بتاؤں......

کچھ دیر بعد دکاندار بولا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ انڈے تم نے خریدے نہیں ہیں، خیر یہ تمہاری گور گردن جانے، بہر حال اگر تم نے یہ پانچ انڈے چار آنے کے خریدے ہیں تو یہ پانچوں انڈے تم تین آنے میں بیچو گے تو تب جا کر کہیں تمہیں ایک آنے کا فائدہ ہوگا"۔ محمود نے حامی بھر لی اور تین آنے لے کر رخصت ہُوا...... جاتے ہوئے حلوائی نے آواز دی کہ دیکھو میاں، اگر تم ایک۔ روپے کے گیارہ انڈے خرید و، تو ہم تمہیں ایک

روپیہ فی درجن دے دیں گے یعنی خرید و گیارہ بیچو روپے کے بارہ......"

محمد و مطمئن ہو کر چلا آیا، اور سیدھا گاؤں کی بیوہ عورت کے گھر پہنچ گیا، اُس نے تین آنے کی کمائی بیوہ کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا کہ خالہ! تم مجھے اپنا بیٹا سمجھ کر اپنے گھر میں کیوں نہیں رکھتیں؟ — بڑھیا بولی کہ بیٹا شوق سے رہو، اور یوں محمد و اس بیوہ کے گھر میں رہنے لگا، جو اُسے کٹورا کہنے کے بدلے صرف محمد و کے نام سے پکارتی تھی — اتفاق سے بڑھیا کی مُرغی پھر انڈے دینے لگی تو محمد و نے اُسے بازار کے بھاؤ سے آگاہ کیا — بڑھیا سمجھ گئی کہ محمد و کسی گھاگ دکاندار کے ہتھے چڑھ گیا ہے۔ اُس نے بڑی مشکل سے محمد و کو سمجھایا کہ بیٹا انڈے بیچنے کا کوئی فائدہ نہیں — یہی انڈے اگر مرغی سے گی تو اتنے چُوزے نکلیں گے اور یہی چوزے بڑے ہو کر اتنے پیسوں میں بک جائیں گے ...... ہر چند کہ محمد و پہلے پہل اِن باتوں کو سمجھنے سے قاصر تھا، لیکن بڑھیا کے سمجھانے سے آہستہ آہستہ اُس میں کچھ سمجھ بُوجھ پیدا ہونے لگی ...... ایک دن بڑھیا محمد و کو ساتھ لے کر بازار گئی اور ایک خُدا ترس دکاندار سے مرغیوں اور انڈوں کے سودے کی بات طے کر آئی۔

اب محمد و کا کام یہ تھا کہ وہ انڈے یا مرغیاں لے کر اس دکاندار کے پاس جانا اور پیسے لا کر بڑھیا کے حوالے کر دیتا — گاؤں کے لوگوں سے اس نے ملنا جُلنا یوں چھوڑ دیا تھا کہ یہ لوگ اُسے اب بھی محمد و کٹورا کہہ کر پکارتے، جب کہ بڑھیا اُسے پیار سے اب خوجہ محمد و کہہ کر پکارتی تھی اور دکاندار بھی اُسے خوجہ محمد و ہی کہتا ...... اس بات سے محمد و بہت مطمئن تھا اور وہ خوب دل لگا کر کام کرتا ...... اُن کے کاروبار میں بھی بہت ترقی ہو رہی تھی اور مرغیاں بھی اتفاق سے عام بیماریوں سے محفوظ رہیں — دو تین برس یوں ہی بیت گئے اور ایک دن اچانک بڑھیا اللہ کو پیاری ہو گئی ..... محمد و کو تو کچھ ہوش نہیں تھا اور نہ اُسے اس بات کا علم تھا لیکن بڑھیا نے پٹواری اور نمبردار سے

مل کر محمد و کو اپنی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کا وارث مقرر کر دیا تھا ـــ گویا اب محمد و بلا شرکت غیرے تمام اثاثے کا مالک تھا ـ کچھ دنوں تک تو اُسے یقین نہ آیا لیکن آہستہ آہستہ اُس کے چال چلن اور برتاؤ سے گاؤں والوں سے لے کر شہر کے دکانداروں تک یہ محسوس کرنے لگے کہ محمد و اب خود کو خوجہ کہلوانا چاہتا ہے۔

اس بات سے کچھ لوگ بیٹھے بٹھائے اُس کے دشمن بن گئے اور کچھ لوگوں نے اُس کٹورے کا سراغ بھی لگایا جو محمد و نے بازار میں ٹھٹھیارے کے ہاتھ بیچ دیا تھا ـ گاؤں میں آوارہ لڑکوں کی ایک ٹولی کے سُپرد صرف یہی کام تھا کہ وہ مرغی خانے کے قریب محمد و انڈا اور محمد و کٹورا کے نعرے لگائے .... پہلے تو محمد و دل پر جبر کر کے اپنے گھر میں بیٹھا رہا ـ لیکن ایک دو مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ اُس نے آوارہ لڑکوں کا تعاقب کر کے ایک آدھ کا سر پھوڑا، اور کسی کی ٹانگ توڑ کر رکھ دی......

اب معاملہ مقدمہ بازی پہ پہنچا اور بازار سے گزرتے ہوئے بھی محمد و کو "انڈے کٹورے والا خوجہ" کے نعرے سننے پڑتے ...... دیکھتے دیکھتے یہ محاورہ بھی لوگوں کی زبان پر عام ہوا کہ "خوجہ محمد و کے انڈے ..... گیارہ لے اور بارہ بیچے" ـ آخر وہ فیصلہ کن گھڑی آگئی جب محمد و نے اپنے کاروبار اور جائیداد پر لات مار دی۔

اس کے بعد محمد و کبھی کشمیر میں نظر نہیں آیا لیکن "گیارہ لے اور بارہ بیچے" کا محاورہ محمد و کے کٹورے کی طرح کشمیری زبان میں آج بھی موجود ہے۔

قدیم کہانی غنی بابا کی زبانی

یہ کہانی مجھے غنی بابا نے سنائی ۔ غنی بابا کشتواڑ کا رہنے والا ہے اور آجکل کسی کے ہاں خانساماں ہے —— غنی بابا کی عمر پینسٹھ سال ہے ۔ غنی بابا کہتا ہے کہ اس نے یہ کہانی بچپن میں اپنے بزرگوں سے سُنی تھی ۔

روایت ہے کہ آج جو علاقہ کشتواڑ کہلاتا ہے ، اس تمام علاقے میں کبھی جنگل اور دلدل کے سوا کچھ بھی نہ تھا ۔ سب سے پہلے وادیٔ کشمیر کے دو قبیلے راتھر (راٹھور) اور گنائی وہاں جاکر آباد ہوئے ۔ تب یہ علاقہ چکیسر ھاڑ یا خوبانیوں کا مرکز کہلاتا تھا ۔ اس کے بعد خشک خوبانیوں کی یہ سوغات کسی طرح پنجاب تک پہنچی ۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس علاقے کا موجودہ نام بھی اسی سوغات کے پنجاب تک پہنچنے کا نتیجہ ہے ۔ یعنی خشک خوبانی کو پنجابی زبان میں کشٹہ کہتے ہیں لہٰذا یہ علاقہ اس زبان میں کشٹوار یا کشتوار کہلایا ۔ کشمیر کے راتھر اور گنائی قبیلوں کا کہنا ہے کہ پنجاب سے آئے ہوئے

خانہ بدوشوں پنج ساسیوں نے پہلے پہل یہاں قدم رکھا اور خوبانیوں کی تجارت میں یہ تینوں قبیلے شریک تھے لیکن اس دوستی کی راہ میں شاید تجارت کی دیوار حائل ہوگئی اور پنج ساسیوں نے ایک علیحدہ بستی بسانے کا فیصلہ کر لیا۔ اُدھر جب باہر سے آنے والے نو آباد کاروں کو معلوم ہوا کہ پنج ساسی راتھر اور گنائی قبیلوں سے الگ ہو گئے ہیں تو اُنھوں نے پنج ساسیوں کی بستی پر قبضہ کرنے کے لئے اپنی کوششیں تیز کر دیں....

اُجین کا ایک راجہ جو امرناتھ جی کی یاترا کے لئے کشمیر آیا تھا، پنج ساسیوں کی بستی پر قبضہ کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ لیکن پنج ساسی ایک بہادر اور جنگجو قبیلے سے تعلق رکھتے تھے جن کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ سوتے ہوئے بھی اپنے ہتھیار اپنے پاس رکھتے ہیں۔ تب راجہ کاہن پال نے ایک جاسوس کو سادھو کے بھیس میں بدل کر پنج ساسیوں کی بستی میں بھیجا۔ سادھو نے اُن کی ایک نوجوان عورت کو بہلا پھسلا کر یہ بھید معلوم کر لیا کہ سال میں ایک دن ایسا بھی ہوتا ہے جب پنج ساسی قبیلے کے لوگ اپنے ہتھیار کھول کر بستی کے ایک چشمے پر جاتے ہیں جہاں وہ اپنا قومی تہوار مناتے ہیں۔

سادھو نے یہ خبر راجہ کاہن پال تک پہنچا دی اور راجہ کے سپاہی گھات لگا کر بیٹھ گئے۔ صبح کو جب پنج ساسی قبیلے کے لوگ تہوار منانے کے لئے چشمے پر جمع ہوئے تو راجہ کے سپاہیوں نے چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ یُوں پنج ساسیوں کو موت کے گھاٹ اُتار کر ایک غیر ملکی لشکر نے راتھر اور گنائیوں کے کشمیری قبیلوں کو بھی محکوم بنایا، اور یہ لوگ صدیوں تک غلامی کی زندگی بسر کرتے رہے۔

آخوند (مُلّا) کی داستان

ایک آخوند کے چار بیٹے تھے۔ ایک دن مُلّا نے اُن سے کہا کہ "میں بوڑھا ہو چکا ہوں بتاؤ بھلا تم لوگ کیا کام کرو گے؟ ایک بیٹے نے کہا میں امامت کروں گا۔ دوسرا بولا کہ میں اذان دیا کروں گا۔ تیسرا بولا کہ میں واعظ بنوں گا، چوتھا بیٹا بولا کہ "میں تو چور بنوں گا"۔

ایک دن یہی چوتھا بیٹا چوری کی نیّت سے بادشاہ کے محل کی طرف چل دیا۔ جب وہ اندھیری رات میں بادشاہ کے محل میں داخل ہوا، تو اس نے کیا دیکھا کہ اندر سے شہزادی اور وزیر دبے پاؤں باہر کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ آخوند زادہ کھڑا ہو گیا، اور ان سے پوچھنے لگا کہ آپ لوگ کون ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہم چور ہیں۔ لیکن تم کون ہو؟ کہنے لگا کہ میں بھی چور ہوں۔ وزیر نے شہزادی کو گھوڑے پر سوار ہونے کا اشارہ کیا۔ دوسرے گھوڑے پر آخوند زادہ کو یہ کہہ کر بٹھا دیا کہ خاتون کے ساتھ گفتگو نہ کرنا اور چپکے سے رات بھر سفر کرتے رہو۔ تم دونوں چلے چلو، میں بھی پیچھے پیچھے آرہا ہوں۔ یہ دونوں مسافر گھوڑوں پر سوار ہو کر چُپ چاپ ساری رات چلتے رہے شہزادی

کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اُس کے ساتھ وزیر کے بدلے آخوندزادہ سفر کر رہا ہے۔

صبح کو جب پَو پھوٹنے لگی تو دونوں ایک دریا کے کنارے گھوڑوں سے نیچے اُترے۔ شہزادی منہ دھونے کے لئے دریا کی طرف نکل گئی اور منہ دھوتے ہوئے ایک بیش قیمت ہیرا اُس نے دریا میں پڑا پایا۔

شہزادی یہ ہیرا لے کر آخوندزادہ کے پاس آگئی۔ اب کہیں دن کی روشنی میں اُسے معلوم ہُوا کہ جسے وہ وزیر سمجھ رہی تھی، وہ کوئی اور ہے۔ ہیرے کی چمک بڑھتی ہی چلی گئی۔ دونوں اس ہیرے کو چُھپا کر ایک شہر میں پہنچ گئے۔ اخوندزادہ نوکری تلاش کرتا ہُوا بادشاہ کے دربار میں پہنچا۔ بادشاہ نے پوچھا، کون سی نوکری کر سکتے ہو، وہ کہنے لگا گھوڑوں کی ٹہل سیوا۔ ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ بادشاہ کے دربار میں ایک جوہری آگیا جس کے پاس دو ہیرے تھے۔ اخوندزادے نے ہیروں پر ایک نظر ڈالی۔ اور بادشاہ سے کہنے لگا کہ جہاں پناہ ایک ہیرا تو انمول ہے لیکن دوسرا بالکل کھوٹا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تمہیں کیوں کر معلوم ہُوا؟ کہنے لگا کہ جہاں پناہ دوسرا ہیرا بالکل بیکار ہے۔ آپ اسے توڑ کر دیکھئے اس میں ایک کیڑا ہے اور اگر اس میں سے کیڑا برآمد نہ ہُوا تو مُجھے ہر سزا منظور ہے۔ دوسری صورت میں یقیناً آپ مجھ پر کوئی نوازش کریں گے۔

راوی کہتا ہے کہ ہیرے کو توڑا گیا اور اس میں ایک کیڑا نکلا، اسی وقت اخوندزادہ سائیس کے بدلے ہیروں کے پارکھ کی حیثیت سے بادشاہ کے خُدّام میں شامل ہو گیا۔ یعنی جوہری بن کر آخوندزادہ دن گزارتا رہا۔ دن کو بادشاہ کے دربار میں ہیروں کی پہچان کا کام کرتا اور رات کو گھر جا کر آرام کرتا۔

ایک روز بادشاہ کا نائی جوہری کی حجامت بنانے اُس کے گھر چلا گیا اور وہاں اُس کی

خوبصورت بیوی کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ وہاں سے شاہی حجام نے سیدھے وزیر کے گھر کا رخ کیا اور وزیر سے کہنے لگا کہ وزیر صاحب...... جوہری کے گھر ایک ایسی خوبصورت حسینہ ہے جسے وزیر کی بیوی ہونا چاہیئے۔ کوئی ایسی تدبیر کیجئے کہ وہ چاند آپ کے گھر چمکے۔ وزیر نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور سیدھا بادشاہ کی لڑکی کے پاس چلا گیا، اور بہلا پھسلا کر لڑکی سے کہا کہ آپ اپنے والد سے کہیئے کہ وہ آپ کو اسی قسم کا دوسرا انمول ہیرا لا کر دیں جو ہیرا آج درباری جوہری کی پسند پر بادشاہ سلامت نے آپ کے لئے خریدا ہے۔

شہزادی نے بادشاہ سے ویسے ہی دوسرے انمول ہیرے کی فرمائش کی۔ لعل شناس دربار میں آیا تو بادشاہ نے مطالبہ کیا کہ دوسرا ہیرا تلاش کر کے لایا جائے۔ لعل شناس گھر پہنچا اور بجھا بجھا سا خاموشی کے ساتھ ایک کونے میں بیٹھا رہا۔ بیوی نے پوچھا کہ غمگین کیوں ہو؟ کہنے لگا کہ بادشاہ نے دوسرا ہیرا طلب کیا ہے، میں بھلا کہاں سے حاصل کر لوں؟ بیوی کہنے لگی کہ اپنے بادشاہ سے ایک مہینے کے لئے سفر خرچ مانگو بادشاہ سے مہینے بھر کے اخراجات لے کر گھر آیا اور چپ چاپ بیٹھا رہا۔ آخر جب ایک مہینہ پورا ہونے کو آیا تو شہزادی نے وہی ہیرا جو دریا میں منہ دھوتے ہوئے اٹھایا تھا لعل شناس کے حوالے کیا، لعل شناس نے ہیرا لے کر بادشاہ کو سلام کیا اور ہیرا پیش کیا۔ شام کو لعل شناس اپنے گھر آ کر سو گیا، اور صبح سویرے شاہی حجام حاضر ہوا۔ جوہری کے گھر میں پھر اسی خوب صورت خاتون کو دیکھ کر حجام نے وزیر کے گھر کی راہ لی، اور وزیر سے کہا کوئی جتن کیجئے کہ وہ خاتون صرف آپ ہی کے گھر کی زینت ہو سکتی ہے۔ وزیر پھر بادشاہ کی لڑکی کے پاس گیا اور کہا کہ آپ بادشاہ سلامت سے ہیروں کا ایک پورا ہار مانگیئے۔

شہزادی نے اپنے والد سے ہیروں کی فرمائش کی۔ جوہری سلام کو حاضر ہوا تو

بادشاہ نے ہیروں کے ایک ہار کی فرمائش کی، وہ چُپ چاپ گھر چلا آیا۔ بیوی نے پوچھا کہ خاموش کیوں ہو؟ کہنے لگا کہ آج تو بادشاہ نے ہیروں کے ہار کی فرمائش کی ہے، میں بھلا کہاں سے لاؤں؟

بیوی نے کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں، بادشاہ سے جا کر کہو کہ تین مہینے کے اخراجات چاہئیں۔ تین مہینے کے لئے اخراجات لے کر جوہری اپنے گھر واپس آگیا، اور آرام سے دن گزارنے لگا۔ تین مہینے گزرنے پر بیوی نے لعل شناس سے کہا کہ جس دریا کے کنارے پر مجھے ہیرا ملا تھا اسی کنارے سے ذرا دُور چل کر تمہیں ایک چشمہ ملے گا، اُس چشمے کے قریب ایک گڑھا کھود کر اُس میں چھپے رہو۔ وہاں چھ پریاں نہانے کے لئے آئیں گی۔ اُنہیں کچھ نہ کہنا لیکن اُن کے جانے کے بعد جب اُن کی سردار کپڑے اُتار کر چشمے کے کنارے رکھ لے گی اور نہانے کے لئے چشمے میں اُترے گی۔ تم چُپکے سے جا کر اس کے کپڑے چُھپا لینا۔

چھ پریاں چشمے سے نہا کر نکلیں تو ساتویں پری نے نہانے کی غرض سے چشمے کے کنارے اپنا لباس اُتار کر رکھ دیا۔ جوہری دبے پاؤں اس کے کپڑے اُٹھا کر پاس ہی گڑھے میں جا کر چھپ گیا۔

پری نہا کر نکلی تو اپنا لباس غائب دیکھا، چلّا کر بولی کہ تم دیو ہو یا انسان ہو۔ تمہیں اپنے پروردگار کی قسم ہے میرے بھید کو چھپا رہنے دو۔ تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو، مجھ سے طلب کر سکتے ہو۔ لعل شناس نے اُسی گڑھے میں سے آواز دی کہ پہلے میرا مطالبہ ماننے کا وعدہ کر لو۔ پری نے وعدہ کیا اور لعل شناس نے پری کا لباس اُسے لوٹا دیا۔ کپڑے پہن کر پری بولی کہ اب آپ حکم کیجئے۔ لعل شناس نے کہا کہ میرے ساتھ چلئے۔ اب وہ آگے آگے اور پری جس کا نام لعل مال یعنی ہیروں کی مالا تھا اس کے پیچھے پیچھے اُس کے گھر پہنچے۔

راوی کہتا ہے کہ یا تو اس پری کی باتوں سے موتی جھڑتے تھے یا پھر وہ اپنے منہ سے روز سات ہیرے زمین پر بکھیرتی تھی۔ صبح ہوئی تو جوہری سات ہیرے لے کر دربار میں پہنچا۔ بادشاہ کو سلام کیا، اور ہیرے پیش کر دیئے۔ بادشاہ بہت مسرور ہوا۔

لعل شناس رخصت لے کر گھر پہنچا تو شاہی حجام بھی حجامت کے بہانے اس کے پیچھے بھاگا۔ وہاں ایک اور حسینہ کو دیکھ کر ننگے پاؤں وزیر کے پاس پہنچ کر چیخنے لگا کہ اے وزیر! جوہری کے گھر آج ایک اور حسینہ ٹھہری ہوئی ہے، جو پہلی عورت سے بھی زیادہ خوب صورت ہے کوئی سازش گھڑ لو، ایک عورت تمہارے لائق ہے تو دوسری ملکہ بننے کے قابل ہے۔ وزیر نے کہا کہ لو پھر میں بادشاہ کی لاڈلی بیٹی کے پاس، جاتا ہوں۔ وزیر نے شہزادی سے جا کر کہا کہ اپنے ابا جان سے پاتال کا کنگن مانگ لیجئے۔ شہزادی نے جا کر بادشاہ سے کنگن کا مطالبہ کیا۔ دوسرے روز جوہری دربار میں پہنچا تو بادشاہ نے پاتال کنگن کا مطالبہ کیا۔

جوہری نے گھر پہنچ کر دونوں بیویوں سے کہا کہ آج بادشاہ نے پاتال کنگن کا مطالبہ کیا ہے۔ پری بولی کہ بادشاہ سے تین ماہ کے اخراجات کا مطالبہ کرو۔ بادشاہ سے رقم لے کر اپنے گھر آیا اور تین مہینے آرام سے بیٹھا رہا، تب لعل مال پری نے ایک خط لکھا اور جوہری سے کہا کہ اُسی چشمے پر جاؤ جہاں سے تم مجھے ساتھ لائے تھے، یہ کاغذ اس چشمے میں ڈال دو تو پانی میں سے ایک ہاتھ برآمد ہو گا اُسی کلائی میں وہ کنگن بھی ہے لیکن دیکھنا کہیں خود چشمے میں نہ اُترنا۔

جوہری پری کا خط لے کر گیا اور جونہی خط کو چشمے میں ڈالا چشمے سے ایک ہاتھ پانی کے اُوپر آیا جو کنگن لئے ہوئے تھا دگھبراہٹ اور مسرت کے مارے) جوہری نے اِتنی شدت سے ہاتھ کو کھینچا کہ کنگن کے ساتھ اس جل پری کا ہاتھ بھی جُدا ہو کر

جوہری کے ہاتھ میں آ رہا۔ رات کو گھر پہنچ کر جوہری نے دم لیا اور صبح ہوتے ہی دربار میں حاضر ہوا، اور سلام کہہ کر بادشاہ کے سامنے کنگن رکھ دیا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور لعل شناس اپنے گھر چلا آیا۔ حجام پھر حاضر ہو کر حجامت بنانے لگا اور وہاں سے وزیر کے گھر پہنچ کر پھر وہی بات دُھرائی کہ میاں وزیر صاحب آخر آپ اس لعل شناس کا کوئی بندوبست کیوں نہیں کرتے؟

وزیر نے شہزادی سے جا کر کہا کہ آپ شہزادی ہو کر صرف ایک ہی کنگن پہنیں گی؟ شہزادی نے والد سے دوسرے کنگن کا مطالبہ کیا۔ جوہری سلام کے لئے دربار میں پہنچا تو بادشاہ نے دوسرا کنگن لانے کو کہا۔ گھر پہنچ کر اپنی دونوں بیویوں سے ماجرا بیان کیا کہ بادشاہ نے ایک اور کنگن لانے کو کہا ہے۔ لعل پری نے اپنی انگوٹھی دے کر کہا کہ اس چشمے پر چلے جاؤ اس کے نزدیک ایک بھاری پتھر ملے گا، میری انگوٹھی کو دیکھتے ہی وہ پتھر اپنی جگہ سے ہلے گا اور اس کے نیچے سیڑھیاں اُتر کر ایک خاتون تمہیں بیٹھی ہوئی ملے گی وہ میری سہیلی ہے اور اُسی سے تمہیں دوسرا کنگن حاصل ہوگا۔ گھر سے رخصت ہو کر جوہری اس پتھر تک پہنچا اور پری کی انگوٹھی دیکھتے ہی بھاری پتھر نے اپنی جگہ سے ہل کر جوہری کو راستہ دیا۔ نیچے پہنچ کر جوہری نے ایک خاتون کو تنہا پایا۔ پوچھا کیسے آنا ہوا؟ کہنے لگا لعل مال پری نے دوسرا کنگن مانگا ہے اب اس خاتون کو یاد آیا کہ پہلا کنگن بھی تو میری امّی کے بازو سے ہی کسی نے اُتارتے وقت ان کو تکلیف پہنچائی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ وہی آدمی ہوگا اور میری امّی اپنے بازو کے ضائع ہونے کا دُکھ کبھی فراموش نہیں کر سکتیں۔ خاتون نے سوچا کہ جونہی میری ماں گھر واپس آئی تو وہ یقیناً اس خوبصورت نوجوان کو کچا چبائے گی۔ خاتون جوہری کو دیکھتے ہی دل سے بیٹھی تھی۔ اسی دوران میں اُس کی امّی کی آمد آمد سے ایک زلزلہ برپا ہوا۔ خاتون نے نوجوان کو ایک کنکر میں بدل کر اپنی جیب میں چھپا لیا۔ ماں اندر آتے ہی بولی کہ بیٹی مجھے بڑی

سخت آدم بُو آرہی ہے۔ لیکن بیٹی نہ مانی۔ آخر اپنی اماں سے یہ عہد لے لیا کہ وہ نوجوان کو نقصان نہیں پہنچائے گی۔ خاتون نے جیب سے ایک کنکر نکالا اور اسے پھر نوجوان جوہری کا رُوپ بخشا۔ اپنی اماں سے کہنے لگی کہ یہی میرا مقدر ہے اور میں اسی نوجوان کو خواب میں دیکھا کرتی تھی۔ امّی جان مجھے اللہ میاں نے میرے خواب کی تعبیر عنایت کی ہے۔

ماں کہنے لگی کہ ٹھیک ہے اسی نوجوان کے ہاتھ اپنے دونوں بھائیوں کو پیغام بھیج دو کہ وہ آکر تمہاری شادی میں شریک ہو جائیں۔ ماں نے بیٹے کے نام خط لکھا، اور جوہری کے ہاتھ میں تھما دیا کہ وہ یہ خط لے کر چلا جائے۔ لڑکی نے نوجوان کو آواز دی، اور خط پر ایک نظر دوڑائی۔ خط میں لکھا تھا کہ اگر تم دونوں میرے بیٹے ہو، تو اس نوجوان کو دیکھتے ہی جان سے مار ڈالنا۔ (دراصل یہ خط لکھتے وقت بڑی بی کو اپنے بازو کی تکلیف بہت یاد آرہی تھی) اس خط کو تو خاتون نے پھاڑ ڈالا اور اپنی طرف سے ایک اور خط اس عبارت کا لکھا کہ اگر میرے بھائی ہو تو جلدی سے گھر آجاؤ تاکہ میری شادی میں شریک ہو سکو۔" یہ خط جوہری کے حوالے کر کے خاتون نے زبانی اُسے یہ نصیحت بھی کی کہ میرے دیوزاد بھائیوں کے پاس پہنچو تو سلام کہہ کر انہیں یہ خط دے دینا۔ وہ تمہیں کھانے کے لئے چمڑے کے چنے پیش کریں گے۔ لہٰذا میں تمہیں یہ خستہ چنے دے رہی ہوں کہ چمڑے کے چنے گریبان میں ڈال کر یہ اصلی چنے چباتے رہنا، اس کے بعد وہ تمہیں اُن کی پیٹھ کھُجانے کو کہیں گے۔ اِس کام کے لئے یہ لوہے کا پنجہ دے رہی ہوں، اسے تم چھُپا کر رکھنا کہ اسی سے ان دیوزادوں کی تسلّی ہو سکے گی۔ خاتون کی نصیحت پلے باندھ کر نوجوان جوہری دیوزادوں کے پاس پہنچ گیا۔ سلام کہنے اور خط دینے کے بعد جواب میں دیوزادوں نے اسے بٹھا کر کچھ کھانے پینے کا بندوبست کیا اور چمڑے کے چنے جوہری کے سامنے لا کر رکھ دیئے۔ مُٹھی بھر چنے اُٹھا کر اُس نے گریبان کی راہ سے گرا دیئے اور اپنی جیب سے خستہ چنے نکال کر چُپکے سے کھاتا

رہا۔ اس کے بعد پیٹھ کھجانے کی فرمائش پر جوہری نے دیوزادوں کی پیٹھ کو اُسی لوہے کے پنجے سے سہلایا۔ اسی دَوران دونوں بھائیوں نے بہن کے خط کے جواب میں لکھا کہ ,,ہمیں حضرت سلیمانؑ نے طلب کیا ہے لہٰذا شادی میں شرکت کے لئے موقع نہیں ہے بہر حال تم اللہ کا نام لے کر شادی کی رسمیں ادا کر لو۔

رقعہ لے کر جوہری دونوں ماں بیٹیوں کے پاس آیا اور شادی کا سارا معاملہ طے ہو گیا۔ تب اس خاتون نے اپنے میاں سے کہا کہ اب تم یہاں پر زندگی گزارنا چاہتے ہو یا واپس دنیا میں چلے جاؤ گے؟ کہنے لگا کہ دنیا کو واپس چلے جائیں گے۔ خاتون نے کہا کہ میں تو تمہارے حکم کی غلام ہوں۔ لیکن ایک بات نہ بھولنا، جاتے وقت میری امّی ضرور تم سے کہے گی کہ مجھ سے کوئی چیز مانگو، اس وقت تم اس سے وہ مُصلّیٰ مانگ لینا جس پر وہ بیٹھتی ہے۔

جب دونوں میاں بیوی کی رخصتی کا وقت آن پہنچا تو امّی نے کہا کہ کوئی چیز تو لیتے جاؤ، جوہری نے کہا کہ وہ جو بچھانے والا مُصلّیٰ ہے بس وہی دیجئے اور ہمیں کچھ بھی نہیں چاہیئے۔ راوی کہتا ہے کہ اس مُصلّیٰ کا نام اُڑن کھٹولا ہے۔

دونوں میاں بیوی شہر میں پہنچے تو دوسرے روز جوہری کنگن لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حجام نے سُنا تو بھاگا بھاگا لعل شناس کے گھر حجامت کے بہانے پہنچ گیا وہاں ایک تیسری خاتون کو دیکھ کر حجام کی آنکھیں کُھلی کی کُھلی رہ گئیں وہاں سے نکل کر حجام نے وزیر کو جا کر کہہ دیا کہ آج جو تیسری خاتون جوہری کے گھر میں دیکھ آیا ہوں وہ یقیناً بادشاہ کے قابل ہی ہو سکتی ہے۔ دوسری تمہارے لئے موزوں ہے اور تیسری کے ساتھ میری شادی ہو سکتی ہے لیکن ہم لوگ لعل شناس کو کسی ٹھکانے لگائیں تو بات بنے گی۔ وزیر نے کہا کہ آج میں بادشاہ کے پاس جا کر کوئی تدبیر کرتا ہوں، کیونکہ جوہری کے مرنے کے بعد ہی ہم ان تینوں عورتوں کو ہتھیا سکیں گے۔

وزیر نے بادشاہ کو یہ پٹی پڑھا دی کہ عالم پناہ اس جوہری کے گھر تین ایسی حسین عورتیں ہیں جن کا ثانی شاہی محل میں کوئی نہیں ہو سکتا۔ کسی بہانے آپ اس جوہری کو ٹھکانے لگا دیجیے تاکہ تینوں حسینائیں شاہی محل میں داخل ہو سکیں۔

بادشاہ نے سوچا کہ کوئی بھی چیز جوہر شناس سے لانے کو کہہ دوں تو وہ یقیناً لے آتا ہے اب یہی ایک اَنہونی باقی ہے کہ میں اُسے اپنے مرحوم باپ کی یہ خبر لانے کو کہدوں کہ میرا باپ جنّت میں ہے یا جہنم میں مقیم ہے۔

دوسرے روز جوہری نے دربار میں آکر بادشاہ کو سلام کیا تو بادشاہ نے کہا کہ آج تک جو بھی میں نے تم سے مانگا سو تم نے مجھے حاصل کر کے دے دیا اب آج میں تمہارے سپرد یہ کام کر رہا ہوں کہ تم میرے والد مرحوم کی خبر لے آؤ۔ آیا وہ جنّت میں ہیں یا جہنم میں۔ جوہر شناس نے گھر پہنچ کر تینوں خواتین کو سارا قصہ سُنایا کہ آج بادشاہ سلامت مجھے اپنے مرحوم باپ کی خبر لانے کو کہہ رہے ہیں جو خدا جانے کب کے وفات پا گئے ہیں۔ اب میں کیا کروں بھلا؟ کنگن بنانے والی خاتون نے جو بڑی اہل اللہ تھیں۔ جوہری سے کہا۔ کہ تشویش کی کوئی بات نہیں جائیے اور بادشاہ سے سفر کے اخراجات حاصل کر لیجیے اور یہ بھی کہیئے کہ وہ شمشان بھومی میں ڈھیر ساری خشک لکڑیاں جمع کروا دیں۔ بادشاہ نے میدان میں سوکھی لکڑیوں کا ایک ڈھیر لگوا دیا اور لعل شناس جادو کا بچھونا بچھا کر لکڑیوں کے اُس انبار کے اُوپر جا کر بیٹھ گیا۔ بادشاہ سے کہنے لگا کہ آپ کے والد کی کون سی نشانی آپ کو لا کر دوں؟ بادشاہ نے کہا کہ ایک تو جنّت کا میوہ لے کر آنا اور دوسرے میرے باپ کے دستخطوں سے ایک چٹھی لے کر آجانا۔ لعل شناس نے لوگوں کو اشارہ کیا کہ چاروں طرف سے لکڑیوں کے انبار میں آگ لگا دیں۔ راوی کہتا ہے کہ جب چاروں طرف سے آگ کے شعلے اُٹھنے لگے اور جوہری نظروں سے اوجھل ہو گیا تو اس نے جادو کے بچھونے کو قسم دے کر کہا کہ مجھے لوگوں کی نظروں سے

بچا کر اپنے گھر پہنچا دو۔

جوہری نے آنکھیں بند کر کے دوبارہ کھول دیں. تو وہ اپنے گھر میں بیٹھا ہُوا تھا۔ خاتون نے یہ کام کیا کہ جنّت کے انار کی طرح ہفت جوشی پھل تیار کر لیا اور بادشاہ کے باپ کی مہر لگا کر ایک خط اس مضمون کا لکھا کہ :

" میں جنّت میں ہوں - میرے نورِ چشم! تم اپنے وزیر اور حجام کو لے کر بالکل اُسی طرح فوری طور پر میرے پاس پہنچ جاؤ جس طرح تمہارا جوہری پہنچ گیا "

خاتون نے یہ خط اور انار دونوں چیزیں جوہری کے حوالے کر دیں - چار دن گزر چکے تھے اور لکڑیوں کا انبار جل کر راکھ کا ڈھیر بن چکا تھا۔ صبح منہ اندھیرے جوہری لنگوٹ کس کر اُس راکھ کے ڈھیر میں جا بیٹھا۔

نظر بازوں نے نظر دوڑائی اور مُخبروں نے بادشاہ کو خبردار کیا کہ راکھ کے ڈھیر میں کوئی چیز حرکت کر رہی ہے، شاید جوہری واپس آگیا ہے - ابھی دربار میں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ جوہری ایک ہاتھ میں چھٹی اور دوسرے ہاتھ میں انار لیئے داخل ہُوا ، اور بادشاہ کو سلام کیا۔ بادشاہ نے خط کی عبارت پڑھی کہ "بیٹا! میں جنّت میں ہوں، اور تم اپنے وزیر اور نائی کو لے کر فوراً آ جاؤ" بادشاہ سوچ میں پڑ گیا کہ میں تو جوہری کو ختم کرنے کے دَر پے تھا، اب یہ میرے والد کی خبر لے کر آرہا ہے۔ جوہری کی طرف مخاطب ہو کر بادشاہ نے کہا کہ میں اس جنت تک کیسے پہنچ سکتا ہوں؟ جوہری نے کہا کہ جتنی لکڑی آپ نے میرے لئے جمع کرنے کا حکم دیا تھا، اُتنی ہی خشک لکڑی جمع کرنے کا حکم دیجیے۔ بادشاہ نے لکڑیاں جمع کروا دیں اور اُس پر بستر لگوا دیا۔ بادشاہ نے وزیر اور نائی کو اپنے ساتھ لکڑیوں کے اس ڈھیر پر بیٹھنے کو کہا اور چاروں طرف سے آگ لگوانے کا حکم دیا۔

راوی کہتا ہے کہ یوں تینوں آدمی آگ میں جل کر راکھ ہو گئے - ادھر اب وہ پہلا

وزیر بھی جوہری (آخوندزادہ) کے پاس پہنچ گیا، جو بادشاہ کی لڑکی کو رات کے اندھیرے میں شاہی محل سے نکالتے ہوئے آخوندزادے کو اتفاقاً مل گیا تھا۔ وہی وزیر اب آخوندزادے کے گھر پہنچا تو دونوں کی ملاقات ہوئی، وزیر کو آخوندزادے نے اپنے سفر کی تمام داستان سنائی اور ان مصیبتوں کا تذکرہ کیا جن کا شکار اُسے حجام اور وزیر کی سازش کی وجہ سے ہونا پڑا۔

اب آخوندزادے نے وزیر سے کہا کہ آپ اپنی خاتون (شہزادی) کو اپنے ساتھ لیتے جائیے۔ لعل مال پری کو اپنے چشمے (پاتال) پر جانے کی اجازت مل گئی، اور وہ پری جسے آخوندزادہ بیاہ کر لایا تھا اُس کی بیوی بن کر اُسی کے ساتھ رہنے لگی۔

آخر طے یہ پایا کہ وزیر اب بادشاہ کے تخت پر بیٹھے گا اور آخوندزادہ اس کی وزارت کا قلمدان سنبھالے گا۔

سلطان محمود غزنوی اور مچھیرا (منظوم)

۱۔ شہنشاہ سلطان محمود غزنوی اپنے ملک کے نظام کی آپ دیکھ بھال کیا کرتا تھا۔

۲۔ سلطان خود فقیر بن کر اس بات کا کھوج لگاتا تھا کہ میرے دورِ حکومت میں کوئی ناتواں بھوکا تو نہیں ہے؟

۳۔ جگہ جگہ عوام بادشاہ کی خیر مانگتے اور سلطان کے عدل کی وجہ سے لوگ سیر چشم بھی تھے۔

۴۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سلطان نے ایک جگہ کسی ہانجی (مچھیرے) کو دیکھا جو تنگدستی اور غربت کی وجہ سے اِس قدر ذلیل ہو کر رہ گیا تھا کہ اس کا چہرہ اس کے ابتر حالات کی تصویر دکھاتا تھا۔

۵۔ یہ مچھیرا پانی میں بہتیرے جال پھینکتا لیکن جال میں کبھی کوئی مچھلی بھول کر بھی نہ آتی۔

۶۔ سلطان نے مچھیرے کی یہ حالت دیکھ کر اُس سے کہا کہ میرے ساتھ شراکت

کرو۔ اور اللہ کا نام لے کر سچی نیت سے جال پھینکو۔

۷۔ مچھیرے نے پہلی مرتبہ جال دریا میں پھینکا تو ایک سَو مچھلیاں پائیں جنہیں لے کر وہ فقیر (سُلطان) کے قدموں میں حاضر ہُوا، اور اپنے ساتھی کو اپنی پسند کے مطابق آدھی مچھلیاں چُننے کی گذارش کی۔

۸۔ بادشاہ نے اُس کے حصے کی مچھلیاں بھی خرید لیں اور اُسے مالا مال کر دیا۔

۹۔ دوسرے روز بادشاہ نے مچھیرے کو دربار میں طلب کر کے فرمایا کہ تم میرے کل کے ساتھی ہو، کل تک تم نامراد تھے لیکن دیکھ لو۔

۱۰۔ دُکھ اور نامرادی کے دن دُور کرنا تو پروردگار کی حکمت ہے، دولت اور غربت تو دھوپ چھاؤں کی مانند ہے۔

۱۱۔ اصل بات یہ ہے کہ سچے دل سے تمہیں اللہ کی بندگی منظور ہو، ورنہ محض اپنی عقل کے بل بوتے پر غربت اور افلاس کو دُور کرنا ناممکن ہے۔

۱۲۔ یہی بات کہہ کر استاد احمد اللہ سے اپنی غربت اور عذاب سے نجات کے لئے دعائیں مانگتا ہے کہ ساری دنیا اپنے اُسی پروردگار سے نجات کی طالب ہے۔

راجہ کی کہانی

راوی کہتا ہے کہ چار مسافر راہ چلتے چلتے ایک بڑے میدان میں آنکلے۔ اِس میدان میں قدم رکھتے ہی ایک دُوسرے سے کہنے لگے کہ بھائی قصہ سُناؤ کہ میدان کی مسافت طے ہو سکے۔ اُن کے پیچھے ایک اور مسافر چلا آرہا تھا۔ اُس سے کہنے لگے کہ " میاں کوئی "کتھا" سناؤ " اُس نے جواب دیا کہ میں داستان تو سناؤں گا۔ ایک کتھا نہیں بلکہ پانچ کتھائیں۔ (کتھا کے معنی ایک بات اور داستان بھی ہیں) لیکن پانچ کتھاؤں کے عوض مجھے پانچ سو روپے کا معاوضہ ملنا چاہیئے۔ ان چاروں نے جواب دیا کہ ہم چار آدمی تمہیں چار سو روپے دیں گے۔ پانچواں سینکڑہ تم اپنی گرہ سے نکلا ہُوا سمجھ لو، اور پانچ کتھائیں سُنا ڈالو۔ کہنے لگا:

۱۔ دولت سفر میں ساتھ دیتی ہے۔

۲۔ دوست مصیبت میں ساتھ دیتا ہے۔

۳۔ رشتہ دار صرف بھلے وقتوں میں آشنا ہوتا ہے۔

تین باتیں تو یہ تھیں اور دوسری دو باتیں یہ ہیں کہ ...... اُس عورت کو تم

اپنی بیوی خیال نہ کرو جو فی الوقت تمہارے پاس نہیں ہے یعنی مالِ عرب پیش عرب۔
پانچویں کتھا یہ ہے کہ "جو شخص رات بھر جاگتا رہے گا وہی راجہ وکرما جیت کی بیٹی کو
جیت لے گا۔" پانچویں مسافر نے یہ پانچ باتیں بیان کیں تو چاروں مسافر یہ مطالبہ
دُھرانے لگے کہ کتھائیں سناؤ...... اس نے جواب دیا کہ میں نے پانچوں باتیں
بیان کر دی ہیں...... اس پر جھگڑا ہو گیا۔

چاروں مسافر کہہ رہے تھے کہ ہم سے چار سو روپے ہتھیا کر تم نے قصے نہیں
سنائے اور ابھی طویل میدان کو طے کرنے کا کٹھن سفر بھی باقی ہے۔ چاروں نے مل
کر داستان گو کی پٹائی کر دی۔ اُس نے کہا کہ چلو یہاں کے بادشاہ کے پاس چلے چلتے
ہیں جو فیصلہ بادشاہ دے گا وہی سب کو منظور ہو گا۔

راوی کہتا ہے کہ پانچوں مسافر بادشاہ کے پاس گئے۔ چار مسافروں نے فریاد کی کہ
جہاں پناہ اس شخص نے کہانیاں سنانے کا وعدہ کر کے ہم سے چار سو روپے ہتھیا لئے۔
بادشاہ نے پانچویں مسافر سے پوچھا کہ تم نے ان لوگوں سے جو کچھ بیان کیا ہے وہ سنا
دو......

مسافر بولا کہ بادشاہ سلامت میں وہ پانچوں باتیں حرف بحرف آپ کے سامنے
بیان کرنے کو تیار ہوں لیکن میں آپ سے بھی پانچ سو روپے طلب کروں گا۔
بادشاہ نے اُسے پانچ سو روپے دے دیئے اور پانچوں باتیں سننے کے بعد ان
پانچوں مسافروں کو گرفتار کیئے رکھا۔

خود بادشاہ نے یہ کام کیا کہ شاہی لباس اُتار کر گدائی کا لباس پہنا اور سات
قیمتی ہیرے اپنے بازو پر باندھ کر ان پانچ باتوں کی حقیقت کا سُراغ لگانے کی
غرض سے اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

راوی کہتا ہے کہ سب سے پہلے بادشاہ نے اُس شہر کا رُخ کیا جہاں اُس کی

پیاری بہن بیاہی گئی تھی۔ جب اُس شہر کے نزدیک پہنچا تو اپنی بہن کو یہ پیغام بھیجا کہ میں (بادشاہی گنوا کر) در در کی ٹھوکریں کھا رہا ہوں، اجازت ہو تو میں تمہارے پاس آ جاؤں! بہن نے جواب میں یہ پیغام بھیجا کہ تمہارے یہاں پڑے رہنے سے سُسرال والے مُجھے ساری عمر طعنے دیتے رہیں گے۔

بادشاہ نے دوبارہ پیغام بھیجا کہ اگر میں آپ کے دربار میں نہیں آ سکتا تو خیر۔ فی الحال میرے کھانے پینے کا کچھ بندوبست کیجئے اور میری ضرورت کی تمام چیزوں کو کسی چیز میں لپیٹ کر اُس پر اپنی مہر بھی ثبت کر دیجئے گا۔ اس پیغام کے جواب میں بادشاہ کی بہن نے اپنے کھانے کے برتن میں (جوٹھا یا صاف) تھوڑا سا کھانا ڈال دیا اور اس برتن کو ڈھانے کے بعد اس پر اپنی مہر بھی لگا دی۔ بادشاہ نے کھانے کا یہ برتن اُسی جگہ زمین کے نیچے چُھپا کر رکھ دیا اور اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

اب بادشاہ اپنے دوست کی طرف چل دیا۔ جب نزدیک جا پہنچا تو کسی کے ہاتھ اپنے دوست کو یہ پیغام بھیجا کہ "تمہارا دوست (جو اب بادشاہ نہیں رہا) تم سے ملنے آیا ہے اور بُری حالت میں ہے"۔ دوست نے پیغام سُنا تو بادشاہ کی طرف ننگے پاؤں بھاگا۔ اور لپٹ کر کہا کہ میرے دوست تُو نے میری خاطر یہ سفر کیسے برداشت کر لیا۔ دونوں دوست چل دیئے۔ بادشاہ نے تو گدائی کا لباس پہن رکھا تھا۔ دوست نے گذارش کی کہ تم مجھے اپنا یہ شاہی خلعت اُتار دو، اور میرے کپڑے خود پہن لو (تاکہ میری عزت افزائی بھی ہو، اور میرے دل کو ٹھنڈک پہنچے کہ میرے جسم پر میرے دوست کے کپڑے ہیں)۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ بادشاہ کی یہ گدایانہ پوشاک اُس کے دوست کو خلعتِ شاہی دکھائی دیتی تھی۔ کیونکہ اُس کی نظروں میں، اُس کے دماغ میں، ہر جگہ دوست کی محبّت سمائی ہوئی تھی۔ بادشاہ دوست کے گھر پہنچا تو ضیافت کا زبردست اہتمام

کیا گیا.........

.......یوں بادشاہ نے دو باتیں آزما کر دیکھ لیں......

اب بادشاہ اپنی بیوی کے میکے کی طرف روانہ ہوا (وہ بھی کسی شہر کے حکمران کی بیٹی تھی اور کئی دنوں سے اپنے میکے گئی ہوئی تھی)۔

شہر کے ایک کونے میں بادشاہ کو ایک بڑھیا کا جھونپڑا نظر آیا اور بڑھیا سے بادشاہ نے ایک درانتی عارضیتاً مانگ لی تاکہ وہ اپنے گھوڑے کے لئے گھاس کاٹ کر لے آئے۔ پاس ہی شہر کے حاکم کی چراگاہ تھی جہاں بادشاہ گھاس کاٹنے کے لئے چلا گیا۔ سرکاری چراگاہ کے رکھوالوں نے بادشاہ کو گرفتار کر کے اپنے افسر کے حضور پیش کیا۔ (یہ لوگ شاہی اصطبل کے سائیس تھے اور اُن کا افسر مجیرا (MAJERA) کہلاتا تھا)۔

بادشاہ کو حوالات میں قید کر دیا گیا۔ رات کو بادشاہ کیا دیکھتا ہے کہ اصطبل کے افسر کے پاس ایک بیگم صاحبہ اپنے سر پر رنگا رنگ نعمتوں کا ایک تھال لئے ہوئے تشریف لاتی ہیں۔ دونوں نے پلنگ پر بیٹھ کر خوب مزے سے یہ دعوت اُڑائی جو کچھ جھوٹا باقی بچا وہ اس قیدی کو بُلا کر دے دیا۔ قیدی (بادشاہ) نے قریب آ کر جو دیکھا تو اپنی بیوی کو افسر کے پہلو میں پایا۔ قیدی کھانا لے کر حوالات میں چلا گیا، اور ان دونوں نے اپنی خرمستیوں کے دَوران نیچے بچھے ہوئے پلنگ کو توڑ ڈالا۔

افسر نے اس قیدی کو آواز دی کہ تم اس ٹوٹے ہوئے پلنگ کو ٹھیک کر سکتے ہو؟ قیدی بولا۔ جی ہاں میں ویسے بھی نجّاروں کا ہمسایہ ہوں اور یہ کام مجھے خوب آتا ہے، اب جو قیدی پلنگ ٹھیک کرنے کے لئے آیا تو اُس عورت نے (جو اُس کی ملکہ تھی) بادشاہ کو پہچان لیا۔ وہ سرگوشیوں میں اصطبل کے افسر کو بتائے

لگی کہ یہ قیدی میرا خاوند ہے۔ اب ہمارے بچنے کی واحد صورت یہی ہے کہ اسے آج ہی رات کو قتل کر دیا جائے۔ اصطبل کے حاکم نے حکم دیا کہ اِس قیدی کو جلاّد کے سپُرد کر کے فوراً قتل کیا جائے۔ کچھ لوگ قیدی کو لے کر شہر سے باہر کی طرف چل دیئے۔ قیدی نے اُن کی منت سماجت کی کہ مجھے اس بہتے پانی میں منہ دھو کر عبادت کرنے کی مہلت دی جائے۔ منہ ہاتھ دھونے کے بعد قیدی عبادت میں مصروف ہُوا اور دعا مانگنے کے بعد اُسے اُن قیمتی جواہرات کا خیال آیا جو اُس کے بازوؤں پر بندھے ہوئے تھے۔ اب جلاّدوں سے مخاطب ہو کر قیدی نے کہا کہ میرے پاس سات ہیرے ہیں، تم چاروں آدمی ایک ایک ہیرا آپس میں بانٹ لو، اور بقیہ تین ہیرے امانت کے طور پر تم اپنے پاس رکھ لو۔ یہ شرط تسلیم ہے تو مجھے رہا کر دو۔

یوُں بادشاہ نے چوتھی بات بھی آزما لی۔ لیکن پانچویں بات کیا تھی؟ وہ بادشاہ کے ذہن سے یکسر محو ہو چکی تھی۔ مجبوراً بادشاہ کو واپس اپنے گھر آنا پڑا۔ گھر پہنچ کر اُن پانچ مسافروں کو طلب کیا اور وہی پانچ باتیں پھر سے بیان کرنے کا حکم دیا۔ مسافروں نے بر سبیلِ تذکرہ پوچھ لیا کہ بادشاہ سلامت نے کتنی باتوں کو آزما لیا؟ بادشاہ نے جواب دیا کہ چار باتیں تو ٹھیک نکلیں۔ کہ:

۱۔ بُرے وقت میں صرف دوست ہی کام آتا ہے۔

۲۔ رشتہ داری صرف بھلے وقتوں کی بات ہے۔

۳۔ وہ عورت جو مرد کے پاس نہیں ہے اس کی اپنی نہیں رہتی اور چوتھی بات بھی صحیح ہے کہ دولت ہی سفر کی رفیق ہے۔ باقی وہی پانچویں بات، سو وہ میرے ذہن سے محو ہو گئی۔ پانچواں مسافر بولا کہ ایک سو روپے ادا کیجیے۔ تب اُس نے یہ پانچویں کتھا دُہرائی کہ "جو شخص رات بھر جاگتا رہے گا وہی شخص راجہ بکرماجیت کی بیٹی کو جیت کر لائے گا۔"

بادشاہ نے فقیر کا بھیس بدل کر راجہ بکرماجیت کے دربار کی راہ لی۔ نظر بازوں نے نظر دوڑائی اور خبر داروں نے یہ خبر پہنچا دی کہ "راجہ صاحب ایک فقیر کہیں سے آن ٹپکا ہے جسے دعویٰ ہے کہ وہ راجہ جی کی بیٹی کو جیت لے گا۔" راجہ بکرماجیت بولے کہ آج تک کتنے ہی راجکمار اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اب اس گداگر کی باری ہے اس فقیر کا بھی خدا حافظ ہے۔ جاؤ اسے بھی شہزادی کے کمرے تک پہنچا دو۔

فقیر کے لئے ایک پلنگ بچھا دیا گیا۔ فقیر نے راجکماری کو، جو دوسرے پلنگ پر سو رہی تھی۔ جگایا اور کچھ باتیں کیں۔ راجکماری پر دوبارہ نیند کا غلبہ ہوا، فقیر نے اپنے پلنگ پر تکیوں کو بستر کی چادر میں یوں چھپا دیا جیسے کوئی انسان سو رہا ہو۔ خود پلنگ سے اُٹھ کر دُور کسی کونے میں جا بیٹھا۔ کمرے میں شمع جل رہی تھی۔ شہزادی کے مُنہ سے ایک سانپ نکلا اور دوسرے پلنگ کی طرف رینگنے لگا۔ سانپ نے تکیئے اور کپڑوں کی گٹھڑی کو کوئی انسان سمجھ کر ڈسنا چاہا اور ان کپڑوں میں گھس گیا۔ آخر نااُمید ہو کر دوبارہ سوئی ہوئی خاتون کے منہ سے اس کے پیٹ میں داخل ہو گیا۔ فقیر سمجھ گیا کہ یہ بلا داخلی ہے خارجی نہیں۔ فقیر پلنگ پر آکر بیٹھا اور خاتون کو جگایا، کچھ دیر باتیں کرتا رہا اور خاتون پر پھر غنودگی طاری ہو گئی۔ خاتون سو گئی تو فقیر نے دوبارہ کپڑوں کی گٹھڑی کو پلنگ پر اسی ترتیب سے رکھا اور خود کونے میں جا کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد سانپ نے پھر خاتون کے منہ سے اپنا سر نکالا۔ شمع جل رہی تھی سانپ رینگتے ہوئے پلنگ کی طرف آگیا۔ جونہی سانپ کپڑوں کی گٹھڑی میں داخل ہوا، فقیر نے بڑھ کر تلوار کے ایک وار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ سانپ کو پلنگ کے نیچے ڈھیر کرنے کے بعد فقیر تلوار کو سرہانے رکھ کر لمبی تان سو گیا۔

رات بسر ہو چکی تو صبح ہوتے ہی راجہ بکرماجیت نے جلّادوں سے کہا کہ جا کر شہزادی کے کمرے سے اس فقیر کی لاش تو اُٹھا لاؤ۔ ظاہر ہے کہ بے شمار راجکماروں

کی طرح بیچارا فقیر بھی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا ہو گا۔

لوگ شہزادی کے کمرے کی طرف گئے تو دیکھا کہ مہاراج فقیر زندہ ہے۔ راجہ بکرماجیت نے خود بیٹی کے کمرے میں جا کر فقیر کو مبارکباد دی، پوچھا کہ آپ کس طرح جان بچانے میں کامیاب ہو گئے؟

فقیر نے جواب دیا کہ ''جاگتے رہنے کی وجہ سے'' ذرا پلنگ کے نیچے جھانکیے۔ دیکھا تو ایک اژدھا ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پلنگ کے نیچے پڑا ہوا ہے۔

فقیر نے راجہ بکرماجیت کو اپنا وعدہ یاد دلایا..... راجہ نے جواب دیا کہ یقیناً خدا ایک ہے اور وعدہ سچا ہے تب فقیر بولا کہ آپ کی بیٹی آپ کے پاس میری امانت ہے، آپ مجھے اپنی نشانی دے کر میری نشانی اپنے پاس رکھیئے۔ دونوں نے اپنی انگوٹھیاں تبدیل کر دیں۔

فقیر اپنے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ فقیری کا لباس بدل کر شاہی خلعت پہن لیا اور لشکر کو اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔

راوی کہتا ہے کہ سب سے پہلے بادشاہ نے اپنی ہمشیرہ کے شہر کی راہ لی۔ اُس شہر کا والی بھی اُسی بادشاہ کا باجگزار تھا۔ بادشاہ نے وہی مُہر شدہ برتن زمین سے نکال کر اپنی بہن کے سامنے رکھا اور پوچھا کہ یہ مُہر آپ کی ہے؟ کہنے لگی۔ ہاں۔ جواب ملا کہ اس روز کا وہی بھکاری بھائی آج پھر وہ بادشاہ ہے جس کی خدمت میں تمہارے سسرال والے خراج ادا کرتے ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ رشتہ داریاں صرف ہونے اور نہ ہونے پر موقوف ہیں۔ اس شہر کے والی سے کچھ مزید لشکر لے کر اب بادشاہ اپنے دوست کے گھر کی طرف روانہ ہوا، رات بھر دوست کے یہاں قیام کیا، اور صبح کو ہنسی خوشی پھر رختِ سفر باندھا۔ بادشاہ نے اب اپنے سسر راجہ بکرماجیت کی سلطنت کا رُخ کیا اور بادشاہ سے اپنی اصل حقیقت

بتائے بغیر یہ مطالبہ کیا کہ بکرماجیت اپنے اصطبل کے تمام نوکروں کو طلب کرے اور ان سے پوچھے کہ پچھلے دنوں جس چور کو انہوں نے شاہی چراگاہ سے گرفتار کر لیا تھا وہ چور اب کہاں ہے؟

اصطبل کے سائیسوں نے تفتیش پر بتایا کہ "انہوں نے چراگاہ کے چور کو اپنے افسر مجیرے کے حوالے کر دیا تھا۔ مجیرے نے صاف انکار کیا لیکن سائیس اپنی بات پر بضد تھے۔ تب بادشاہ نے راجہ بکرماجیت سے کہا کہ آپ ان چار جلادوں کو طلب کیجئے۔ جلادوں سے بادشاہ نے پوچھا کہ ایک فقیر قیدی نے تمہارے سپرد کوئی امانت کی تھی، وہ امانت کہاں ہے؟

جلادوں نے ساتوں ہیرے بادشاہ کے سامنے رکھ دیئے۔ اُن میں سے چار ہیرے انہی جلادوں کو دے کر بادشاہ نے پوچھا کہ یہ ہیرے تمہیں کہاں سے ملے تھے؟

جواب ملا کہ ایک فقیر سے ملے تھے جس کے قتل کا حکم ہمیں اصطبل کے افسر نے دیا تھا۔ تب بادشاہ نے مجیرے سے کہا کہ مجھے پہچان لو کہ میں وہی فقیر ہوں جس کے سامنے تم نے اس خاتون کے ساتھ پلنگ پر بیٹھ کر ضیافت کھائی اور اس کے بعد پلنگ ٹوٹنے پر مجھے آواز دی کہ تم اسے جوڑ سکتے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں جانتا ہوں، کیونکہ میرے ہمسایہ میں بڑھئی رہتے ہیں۔ میں تمہارے پلنگ کو جوڑ رہا تھا کہ اُس خاتون نے مجھے پہچان لیا اور تم سے کہا کہ یہ میرا خاوند ہے لہٰذا اسے آج ہی قتل کر ڈالو۔ پھر تم نے مجھے ان جلادوں کے سپرد کیا، میں نے ان کی منت سماجت کی، انہیں چار ہیرے دے دیئے اور تین ہیرے ان کے پاس امانت کے طور پر رکھ دیئے۔ یہ رہے وہ ہیرے۔ یوں اصطبل کے افسر پر الزام ثابت ہو گیا۔

بادشاہ نے ایک گڑھا کھودنے کا حکم دیا جس میں اپنی بیوی اور مجیرے کو گاڑ کر انہیں سنگسار کر کے مروا ڈالا۔

اسی مقام پر انہوں نے لکھا ہے کہ تلوار، سانپ اور عورت کا مکر و فریب یہ تینوں چیزیں خطرناک ہیں۔

اب بادشاہ راجہ بکرماجیت کے دربار میں اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ میں اپنی بیوی (راجہ بکرماجیت کی بیٹی) سے ملنا چاہتا ہوں۔ راجہ نے ادب سے گزارش کی کہ میری بیٹی تو ایک فقیر کی بیوی بن چکی ہے۔ تب بادشاہ نے کہا کہ وہ فقیر میں ہی تو تھا۔ یہ رہی آپ کی نشانی جو میرے پاس ہے اور میری انگوٹھی آپ کے پاس ہے۔ راجہ حیران ہوا کہ یہ فقیری اور بادشاہی کا چکر کیا ہے۔ تب بادشاہ نے تمام ماجرا بیان کیا کہ میں نے پانچ باتوں کی تصدیق کے لئے گدائی کا بھیس بدل لیا تھا۔

راجہ بکرماجیت نے اپنی بیٹی کو بادشاہ کے ساتھ رخصت کیا اور بادشاہ اپنے شہر پہنچ کر راج کرتا رہا۔

پتھروں کی بارش

سرینگر سے جو بڑی سڑک جنوبی علاقے کو جاتی ہے۔ اُس سڑک پہ آپ کو ایک چھوٹا سا پہاڑی نالہ دریائے جہلم کے ساتھ ملتا ہوا دکھائی دے گا۔ یہاں ایک طرف تو حدِّ نظر تک پھیلا ہوا ریتیلا پاٹ ہے اور دوسری طرف وہ بڑے بڑے پتھر جنہیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ آج بھی اس ریت میں لوگوں کو پُرانے زمانے کے سکّے ملتے ہیں جن پر اُس بادشاہ کی مُہر ہوتی ہے جس کا دارالحکومت اِن بڑے بڑے پتھروں کی بارش سے بہہ گیا تھا۔

یہ جگہ جو "رمب آر" کہلاتی ہے دراصل رمنیا (RAMANYA) کے نام کی بگڑی صورت ہے جس نے اپنے بھائی کی مدد کے لئے پہاڑوں سے یہ بڑے بڑے پتھر لُڑھکائے تھے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ رمنیا کی بھتیجی کو جو اس شہر کے ایک نوجوان شہری کی خوب صورت بیوی تھی، یہاں کا راجہ زبردستی اُٹھا کر لے گیا تھا اور اس بات کا انتقام لینے کے لئے رمنیا نے اپنے دیوزاد بھائی سشروس ناگ کے ساتھ مل کر اس شہر کو غارت کیا تھا۔ اِسی معدوم شہر کے ریتیلے کنارے کہیں رمنیا کی

بھتیجی اُس نوجوان سے ملی تھی جو گندھارا دیس سے آیا تھا اور جس کے لئے سُشروس ناگ نے زامترسر (ZAMTAR SAR) یعنی داماد کی جھیل بنائی تھی، جس کا دودھیا پانی آج بھی راہ گیروں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔

راوی کہتا ہے کہ دُور دیس سے آئے ہوئے ایک نوجوان نے اس جگہ ایک لڑکی کو دیکھا جو جنگلی پھل چُن چُن کر کھا رہی تھی۔ نوجوان نے حیران ہو کر پوچھا کہ یہ آپ کیا کر رہی ہیں، لڑکی بولی کہ جب کھانا مُیسّر نہ ہو تو جنگلی میوے کھانے میں کیا قباحت ہے۔ رہا غربت کا سبب تو اُس کے متعلق ہمارے بابا بہتر جانتے ہوں گے۔

"کیا آپ کے باوا سے ملاقات ہو سکتی ہے"؟ نوجوان نے پوچھا۔ "ہاں" لڑکی بولی۔ "مگر آپ اُن سے صرف تکشک کے میلے پر ملاقات کر سکتے ہیں"۔ یہ کہہ کر لڑکی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی اور نوجوان سمجھ گیا کہ وہ پریوں کے دیس میں ہے۔ اب اُسے صرف تکشک یا ٹیکسلا کے ناگ میلے کا انتظار تھا۔ آخر میلے کا دن بھی آگیا اور دُور دُور سے آئے ہوئے لوگوں کی بھیڑ میں پردیسی نوجوان نے اُسی لڑکی کو ایک ادھیڑ عمر کے آدمی کے ساتھ دیکھا۔ نوجوان نے جا کر سلام کیا اور باتوں باتوں میں اُس کی غربت کی طرف اشارہ کیا۔ وہ آدمی جو اصل میں ناگاؤں کی مخلوق سے تعلق رکھتا تھا، بولا کہ وہ جو ایک جوگی درخت کے نیچے آسن جمائے بیٹھا ہوا ہے وہی ہماری غربت کا سبب ہے۔ یہ جوگی اصل میں ساری فصلوں کا رکھوالا ہے اور جب تک جوگی مخصوص منتر پڑھ کر نئی فصل کو ہاتھ نہ لگائے ہم فصلوں کے قریب نہیں جا سکتے۔ اگر آپ ہماری کچھ مدد کر سکتے ہیں تو ہم آپ کے اس احسان کا بدلہ ضرور چکا دیں گے۔

پردیسی نوجوان نے امداد کا وعدہ کیا اور وہ کسی نہ کسی طرح اُس جوگی کو ایسی روٹی کھلانے میں کامیاب ہو گیا جو نئی فصل کے آٹے سے پکائی گئی تھی۔ جونہی

جوگی نے نئی فصل کی روٹی کا ایک نوالہ نگل لیا، آسمان پر کالے بادل چھا گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ناگوں نے بارش اور اولوں کا وہ طوفان برپا کیا جس سے ڈھیروں اناج پاتال پہنچ گیا۔ دوسرے ہی دن احتیاج کی ذلّت سے آزاد ہونے کے بعد خوب صورت لڑکی کے باپ نے پردیسی نوجوان کو دعوت دے کر اپنے گھر بلایا۔ اور کئی روز اُس کی خاطر تواضع میں جُتا رہا۔ تب نوجوان کو اصل حقیقت معلوم ہوئی جب نوجوان نے رخصت طلب کی تو گھر کے مالک نے کسی چیز کی خواہش کے بارے میں پُوچھا۔ نوجوان نے لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ سُشروس ناگ (SUSH RA-WAS NAG) نے اپنی بیٹی کا ہاتھ اس پردیسی نوجوان کے ہاتھ میں تھما دیا اور اُن دونوں کو اُس شہر میں رہنے کے لئے بھیج دیا، جسے بعد میں ناگ نے انتقاماً تباہ کر دیا تھا۔

ہوا یوں کہ جب پردیسی نوجوان ناگ لڑکی کے ساتھ شہر میں آکر رہنے لگا تو لڑکی کے حسن وجمال کا شہرہ شاہی دربار تک پہنچا۔ پہلے تو حکمران نے لڑکی کو فریب دے کر ہتھیا لینے کی کوشش کی، اور سیدھے سبھاؤ کام نہ بنا تو دن دہاڑے پردیسی کے گھر پر ہلہ بول دیا۔

پردیسی نوجوان کسی طرح فریاد کرتا ہوا قریب کے اُن پہاڑوں کی طرف جا نکلا۔ جہاں اُس کے سسرال والے رہتے تھے۔ بس پھر کیا تھا، ناگوں کی فوج نے پُورے شہر کو تاراج کیا اور اپنے پردیسی داماد کو لے کر "ناگ لوک" چلے گئے جہاں اُس کے لئے سُشروس ناگ نے ایک جھیل بنائی اور اُسے باقاعدہ ناگ برادری میں شامل کر لیا۔ جہاں شہر آباد تھا وہاں اب دُور دُور تک ریت کے انبار ہیں یا وہ بڑے بڑے پتھر جو رمنیا دیوی نے لڑھکائے تھے۔ اِسی دیوی کے نام پر یہ نالہ آج تک رمب آر (RAMBYAR) کے نام سے مشہور ہے۔

کچھ لوگ اِسے نرپُورہ بھی کہتے ہیں اور اِس قدیم نام کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ریت سے برآمد ہونے والے سکّوں پر حکمران کا نام "نر" کھُدا ہوا ہے۔

بھدرواہ

مغل بادشاہ اکبر اعظم اپنی مملکت کے دَورے پر نکلا تو دوسرے راجوں مہاراجوں کی طرح بھدرواہ کا راجہ ناگ پال بھی سلامی کے لئے حاضر ہوا۔ اتفاق سے ایک کنوئیں پر راجہ ناگ پال اور اکبر اعظم کے سقّے پانی بھرنے کے لئے ایک ساتھ آ پہنچے۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ پہلے پانی کون بھرے۔ باتوں باتوں میں بات بڑھ چلی اور راجہ کے ماشکی نے بادشاہ کے ماشکی کو اُٹھا کر کنوئیں میں پھینک دیا۔ معاملہ اکبر اعظم تک پہنچا۔ راجہ نے یہ موقف اختیار کیا کہ میرا ماشکی باسکی ناگ کی پوجا کے لئے پانی بھرنا چاہتا تھا اور اگر بادشاہ کا ماشکی پہلے پانی بھر لیتا تو پانی جھوٹا ہو جاتا۔

اکبر اعظم نے کہا ''کیا یہ باسکی ناگ کوئی ہم سے بھی بڑا بادشاہ ہے۔ ہم نے تو آج تک اس کا نام بھی نہیں سُنا؟ راجہ نے جواب دیا'' حضور! میں کل آپ کو باسکی ناگ کے درشن کراؤں گا۔ پھر آپ خود ہی فیصلہ کر لیجئے''۔

دوسرے روز جب راجہ بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا، تو اُس کی پگڑی سے پانچ سَروں والا ایک سانپ پھن پھیلائے کھڑا ہو گیا اور اکبر بادشاہ کے تخت کی طرف

جھپٹنے لگا۔

اکبر بادشاہ پانچ سروں والے ناگ کو دیکھتے ہی سہم گیا اور راجہ سے کہنے لگا :" اِس بلا کو روک لو۔ اور مجھ سے جو بھی چاہو مانگ لو "۔ تب راجہ نے اکبر بادشاہ سے یہ رعایت مانگی کہ اُسے شاہی نوبت بجانے کا حقدار قرار دیا جائے ۔ اُس دن سے لے کر آج تک بھدرواہ میں باسکی ناگ کی باؤلی پہ برابر شاہی نوبت بجتی ہے۔

راوی کہتا ہے کہ یہ وہی باشک یا باسکی ہے جس نے پُرانے زمانے میں کشمیر کی وادی سے بھاگ کر کملاس پہاڑ کی جھیل کُنڈ کیلاس میں پناہ لی تھی ۔ یہ اُس زمانے کی بات ہے جب بھدرواہ کے موجودہ قصبے کا کہیں نام ونشان موجود نہ تھا اور اس وادی کا مرکز نیرو اور ھیلاں ندیوں کے سنگم پر واقع قصبہ دُوگھ نگر تھا۔ کہتے ہیں کہ اُس زمانے میں یہاں زبردست قحط پڑا ، اور باسک ایک بھکاری کا رُوپ دھار کر قصبے میں خیرات مانگنے آیا۔ اُس نے ایک ایک گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا لیکن ہر جگہ سے خالی ہاتھ لوٹنا پڑا۔ آخر ایک بڑھیا کی کُٹیا پر صدا دی۔ بوڑھی عورت نے کہا کہ بیٹیا اندر آجاؤ۔ میرے پاس اور تو کھانے کو کچھ بھی نہیں صرف کچھ جنگلی بُوٹیاں پڑی ہوئی ہیں۔ آؤ دونوں مل کر انہی جڑی بوٹیوں پر گزارہ کرلیں۔

مسافر اندر آکر بیٹھ گیا تو بڑھیا کی نظر اس کے پٹکے پر پڑی جس سے ٹپ ٹپ پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے ۔ وہ جان گئی کہ اُس کا مہمان کوئی بھکاری نہیں بلکہ باسک ناگ ہے۔ ناگ نے اپنا بھید کھُلتے دیکھا تو بڑھیا سے کہا کہ خبردار جو تُو نے اس راز کا تذکرہ کسی اور سے کیا ۔ اور یہ بات بھی اپنے تک محدود رکھنا کہ کچھ دِنوں میں دُوگھ نگر غرقاب ہونے کو ہے۔

کچھ دِنوں بعد ایک زبردست طوفان آیا اور پہاڑ پر ایسی بجلی گری کہ پانی کا ایک ہی ریلا سارے قصبے کو بہا کر لے گیا ۔ صرف ایک بڑھیا کی کُٹیا تھی جو محفوظ رہی۔

یہ جو بڑے بڑے گول سے پتھر دو ندیوں کے سنگم پر آج بھی موجود ہیں۔ یہ اُسی سیلاب کی یادگار ہیں۔

ایک سُنار

راوی کہتا ہے کہ ایک شہر ہوا کرتا تھا۔ اس شہر میں ایک سُنار تھا جس کے بارہ سو (۱۲۰۰) شاگرد تھے۔ یہ سُنار شہزادی کے زیور تیار کیا کرتا تھا اور سُنار کی بیوی یہ زیورات لے کر شہزادی کے دربار میں حاضری دیا کرتی تھی۔ ایک دن شہزادی نے سُنار کی بیوی سے کہا کہ کل اپنے میاں کو بھیج دینا۔ سُنار سونے کی ایک انگوٹھی لے کر شہزادی کے دربار میں حاضر ہوا۔ شہزادی نے انگوٹھی کو ناپسند فرمایا۔ کہنے لگیں اس میں کھوٹ ہے۔ سُنار اپنے گھر واپس آگیا اور آتے ہی بیمار ہو گیا۔ دراصل اُسے شہزادی سے عشق ہوا تھا اور شہزادی بھی اس کی محبت میں گرفتار تھی۔

شہزادی اپنی رضاعی ماں کی طرف مخاطب ہو کر کہتی ہے؛ (نظم)

"مخمور آنکھوں والے زرگر بیٹے کو دیکھ کر میرا چین لُٹ گیا ہے امّی جان!۔

دودھ ماں نے کہا، بیٹی بچوں والی باتیں نہ کرو، جنجال میں گرفتار ہو جاؤ گی۔

سُنار صاحبِ فراش ہے۔ اُسے عشق کا روگ لگا ہے۔ سُنار کی بیوی بہت عقلمند ہے، وہ سُنار کی اصل بیماری سے واقف ہو گئی۔ اس نے اپنے میاں سے کہا کہ تم علیل

چلانا سیکھ لو۔ اور سونے کے دو ڈھیلے گھڑ لو۔ داستان گو کہتا ہے کہ سُنار نے سونے کے دو ڈھیلے تیار کیے اور ہاتھ میں کمانی لے کر اِدھر اُدھر کنکریاں پھینکتے ہوئے شاہی محل کی طرف چلنے لگا۔ شہزادی کے محل کی کھڑکی تلے پہنچ کر سُنار نے اپنی غلیل کی مدد سے سونے کے یہ دونوں ڈھیلے شہزادی کے کمرے کی طرف پھینک دیئے۔ دونوں ڈھیلے سیدھے شہزادی کے دامن میں جا گرے۔ جواب میں شہزادی نے سُنار کو آئینے کی پشت دِکھا دی اور کھڑکی سے پانی نیچے پھینک دیا، ایک گلدستہ بھی اور اپنے سَر کے اُلجھے ہوئے بال بھی کنگھی سے نکال کر ایک گچھے کی صورت میں سُنار کی طرف نیچے پھینک دیئے پھر ایک سلائی لے کر کھڑکی کے ایک پٹ پر لکیر کھینچ دی ــــ سُنار یہ ماجرا دیکھ کر منہ لٹکائے اپنے گھر آ گیا۔ بیوی نے پوچھا، کیوں بھئی کیا تیر مار آئے ہو؟ سُنار نے سادگی سے جواب دیا۔ میں نے اپنی غلیل سے سونے کے دو ڈھیلے پھینک دیئے اور وہ دونوں شہزادی کی گود میں جا گرے۔ لیکن اُس نے مجھے اُلٹا آئینہ دکھا کر کُچھ پھول، کچھ سَر کے بال اور پانی نیچے پھینکا، اور لوہے کی ایک سلائی لے کر کھڑکی پر ایک لمبی سی لکیر کھینچ دی۔ یہ سُن کر سُنار کی بیوی نے اپنے خاوند کو سمجھایا کہ بھولے آدمی! آئینے کی پُشت دکھانے کا مطلب یہ ہوگا کہ اُس وقت اُس کی تنہائی میں کوئی اوپرا آدمی مخل ہو رہا ہے۔ پانی سے مُراد یہ تھی کہ باغ کی جو نالی محل کی دیوار کے تلے باہر بہتی ہے اُسی راستے سے تم باغ میں رات کو داخل ہو جانا۔ سلائی سے کھڑکی کو رگڑنے کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ تم کوئی ایسا ہتھیار ساتھ لے کر آنا جو لوہے کی سلاخوں کو کاٹ سکے تاکہ تم محل کے اندر آ سکو۔ سر کے بال کنگھی سے نکال کر باہر پھینکنے کا مطلب بھی یہی ہو سکتا ہے کہ میں ساز و سامان کیئے بن سنور کر بیٹھی رہوں گی ......

راوی کہتا ہے کہ شام کو سُنار اپنے گھر سے منزلِ مقصود کی جانب روانہ ہوا۔

باغ میں داخل ہوتے ہی ایک پلنگ پر نظر پڑی اور گھوڑے بیچ کر پلنگ پر سو گیا۔ رات کو شہزادی باغ میں پہنچی تو دیکھا کہ زرگر بیٹا گہری نیند سو رہا ہے۔ شہزادی نے بہتیری کوشش کی کہ سُنار کی آنکھ کھُلے لیکن وہ گہری نیند سو یا رہا۔ صبح کو پو پھُوٹنے لگی تو شہزادی اندر بھاگ گئی۔ سُنار آنکھیں مَلتا ہوا جاگا تو اُسے بھی گھر کی راہ لینی پڑی۔ بیوی نے پوچھا "کیا ہوا"۔ کہنے لگا "بیوی۔ شہزادی تو باغ میں نہیں آئی"۔

بیوی بولی "ذرا میرے قریب تو آؤ"۔ بیوی نے اُس کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو سونے کے وہ دونوں ڈھیلے برآمد ہوئے جو سُنار نے شہزادی کی طرف پھینکے تھے۔ اپنا سر پیٹ کے بولی کہ میاں شہزادی تو باغ میں آگئی تھی لیکن تم گہری نیند سوتے رہے۔ خیر اب جو شام کو دوبارہ جاؤ گے تو میں تمہیں سمجھا دوں گی۔

شام کو بیوی نے سُنار سے کہا کہ اب جا رہے ہو تو یہ اپنے ناخن اُترواتے جاؤ۔ ناخن تراشتے ہوئے بیوی نے سُنار کی اُنگلی کو نیرن سے کچھ اس طرح زخمی کر دیا کہ سُنار چیخ پڑا۔ "یہ کیا کر رہی ہو؟" "صاحبزادے مجھے ماں باپ نے نائیوں کے گھر ناخن اتارنے کی تربیت کے لئے کبھی نہیں بھیجا تھا"۔ بیوی بولی "خیر اب جو تم جا رہے ہو تو اس زخم کے لئے دوائی بھی ساتھ لیتے جاؤ"۔ یہ کہہ کر بیوی نے نمک اور باریک مرچوں کی ایک ایک چٹکی کی پُڑیا باندھ کر دی اور کہا کہ جب اُس پلنگ پر تم شہزادی کا انتظار کرو، اور درد کی وجہ سے زیادہ بے چین ہو جاؤ تو یہ چٹکی بھر دوا اُنگلی کے زخم پر ڈال دینا۔ آرام آجائے گا۔ سُنار چل دیا اور دوائی ساتھ لے کر باغ میں جا پہنچا۔ شہزادی کے آنے میں تاخیر ہو گئی۔ سُنار کی اُنگلی دُکھنے لگی اور نیند نے غلبہ کیا۔ سوچنے لگا کہ شہزادی تو ابھی تک نہیں آئی اور میں درد کی وجہ سے تڑپ رہا ہوں۔ کیا یہ اچھا نہ ہوگا کہ زخم پر دوا چھڑک کر تھوڑی دیر کے لئے سو جاؤں؟۔

زخم پر نمک اور مرچوں کی چٹکی کا چھڑکنا تھا کہ سُنار کو تارے نظر آنے لگے اور پلنگ سے اُٹھ کر بین کرنے لگا۔ اتنے میں شہزادی بھی آگئی اور سُنار اپنا درد بھول گیا۔ دونوں ملاقات میں محو رہے اور اسی عالم میں گہری نیند سو گئے۔

محل کے محافظوں کا معائنہ کرنے کے سلسلے میں کوتوال کا گزر محل کے باغ کی اسی روش سے ہوا جہاں یہ دونوں بے سُدھ ہو کر سو رہے تھے۔ کوتوال نے دونوں کو گرفتار کر کے سپاہیوں کے حوالے کر دیا کہ انہیں حوالات میں رکھا جائے۔ حوالات کے کمرے کے باہر کوئی مسافر جا رہا تھا۔ دونوں نے اُس سے کہا کہ شہر کے فلاں سُنار کے گھر کی دیوار کے قریب جا کر ہانک لگانا کہ "بادشاہ کی کیسر کیاری میں ایک گدھا گھس آیا تھا، نہ جانے اب زندہ رہے یا مارا جائے بادشاہ کی کیسر کیاری میں ایک گدھے نے مُنہ مارا اور گرفتار ہو گیا۔ اگر جرمانہ لے کر جلدی سے گدھے کے وارث نہ پہنچے تو یقیناً وہ گدھا عاشق بادشاہ کے ہاتھوں مارا جائے گا۔"

جونہی یہ آواز سُنار کی بیوی کے کان میں پڑی وہ فوراً بازار جا کر کچھ روٹیاں خرید کر لائی اور روٹیوں سے بھری ہوئی چھابڑی (ٹہری سی چنگیر جو کین سے بُنی جاتی ہے) سر پر رکھ کر جیل خانے کی طرف چل دی اور گانے لگی:

چھ قید خانوں میں روٹیاں بانٹ کر میں ساتویں قید خانے میں داخل ہونا چاہتی ہوں۔ خدایا تو میری فریاد سُن۔

راوی کہتا ہے کہ قیدیوں کو یہ کہہ کر روٹیاں بانٹتی رہی کہ میرا خاوند بیمار ہے اور پیروں فقیروں نے کہا ہے کہ جیل خانے کے ساتوں کمروں میں رہنے والے قیدیوں میں خدا کے نام پر روٹیاں تقسیم کروں۔

لو یہ روٹیاں کھاؤ لیکن ایک بات پہلے سے کہہ دوں جو کچھ مجھ سے پوچھنا ہے اب جاتے ہوئے پوچھ لو۔ واپسی پر مجھ سے کوئی بات نہ کرنا کیوں کہ یہ میرے لئے بُرا

شگون ہوگا۔

سُنار کی بیوی اچانک اُن سے پُوچھنے لگی ۔" کوئی اور قیدی باقی تو نہیں رہا ؟ "
انھوں نے کہا کہ آج رات کے پچھلے پہر موٹے کوتوال نے دو قیدیوں کو گرفتار کر کے یہاں بھیج دیا ہے وہ دونوں قیدی پچھلے کمرے میں پڑے ہوئے ہیں۔ بھاگی بھاگی ان کے پاس پہنچی اور اپنے میاں سے کہنے لگی اب یہاں سے شہزادی کیسے رہا ہوگی ؟۔ کیا شہزادی کو رہا کروا سکتے ہو ؟۔ سُنار نے منہ لٹکا کر کہا کہ شہزادی کو رہا کروانے کے قابل ہوتا تو خود قید میں گرفتار کیوں ہوتا ؟۔

راوی کہتا ہے کہ " سُنار کی بیوی نے اپنا لباس اُتار کر شہزادی کو پہنایا، اور اُس کے کپڑے خود پہن لئے اور خالی چھابڑی شہزادی کے سَر پر اُلٹا کر رکھ دی۔ یوں شہزادی قید خانے سے نکل کر گھر کو چل دی۔ اُدھر صبح کو کوتوال نے بادشاہ کو رپورٹ دی کہ شہزادی اور شاہی سُنار رات کو باغ میں سو رہے تھے جنہیں میں نے گرفتار کر لیا ہے۔ بادشاہ انصاف کے لئے دربار میں پہنچا۔ کوتوال نے دونوں قیدیوں کو دربار میں لانے کا حکم دیا۔ دیکھا تو دو میاں بیوی ۔ سُنار کی بیوی نے ہاتھ باندھ کر بادشاہ سے گزارش کی کہ عالم پناہ ! ہم میاں بیوی سیر کرنے نکلے تھے کہ دیر ہو گئی ہم شاہی محل کے باغ میں داخل ہوئے، وہاں ایک پلنگ دیکھا اُس پر ستانے کو بیٹھے. اتنے میں آپ کا کوتوال آیا اور اُس نے ہمیں قید کر لیا۔ کوتوال نے بادشاہ سے کہا کہ عالم پناہ آپ کی بیٹی کو چاہیئے کہ وہ " وگنی ناگ " (VIGNI NAG) پر جا کر قسم کھائے ۔ روایت یہ ہے کہ جو اُس چشمے پر جا کر جھوٹی قسم کھائے گا وہ قسم کھاتے ہی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ سُنار کی بیوی اپنے میاں سے کہنے لگی " بولو۔ اب شہزادی کی جان بچا سکتے ہو۔ سُنار بولا کوئی راستہ دکھا دے۔ کہنے لگی ۔ اپنا سارا لباس بدل ڈالو۔ پاؤں میں کھڑاؤں پہنو، جسم پر بھبوت ملو،

اور جوگی بن جاؤ۔ جس وقت شہزادی قسم اُٹھوانے کے لئے چشمے پر پہنچائیں گے تم بھاگ کر اُس کا دامن پکڑ لو اور خیرات مانگو۔ وہ تمہاری طرف دیکھ کر قسم کھائے گی کہ

اے وگنی ناگ اس جوگی کے سوا آج تک کسی اور نے مجھ پاکدامن کا دامن نہیں پکڑا ہے۔ نظم :-

میں وِگنی ناگ میں نہانے کے لئے اُتری تھی لیکن مجھے کیا معلوم کہ میرے سَر اُس نے کون سا گناہ تھوپ دیا۔ ایک جوگی نے میرا ہاتھ تھاما۔ پھر اس کوتوال کو کیا ہو گیا کہ میرے پیچھے پڑا ہوا ہے؟۔ ایک دوسرے کو ملنے والے محبوب تو ملاقات کر کے اپنی راہ لگے، پھر یہ موٹا کوتوال اب تک میرے پیچھے کیوں پڑا ہے؟ اس کے بعد شہزادی ہنستے کھیلتے اپنے گھر گئی سُنار میاں بیوی اپنے گھر گئے اور کوتوال کو پھانسی دی گئی۔

گھر جا کر سُنار پھر بیمار ہو گیا۔ پھر عشق کا تاپ چڑھا۔ سُنار کی بیوی عقل مند تھی اُس نے ایک ہار بنایا۔ وہ ہار اپنے میاں کی گردن میں ڈالا، اور اسے بنا سنوار کر ایک نوجوان ناچنے والی لڑکی کے روپ میں تیار کر لیا۔ اور خود جوگی کا روپ دھار کر دونوں میاں بیوی بادشاہ کے ہاں پہنچے، جوگی نے بادشاہ سے کہا کہ میری یہ بھابی آپ کے سپرد ہے میں اپنے بھائی کے پاس جا رہا ہوں۔ اور اس رقاصہ کو آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ آپ اس پاکدامن لڑکی کو شہزادی کے سپرد کر دیجئے۔ یہ راس رچا کر سُنار کی بیوی اپنے گھر آگئی اور کچھ دن بعد سُنار بھی آنکھ بچا کر اپنی بیوی سے جا ملا۔

راوی کہتا ہے کہ ایک دن دونوں میاں بیوی بھیس بدل کر پھر شاہی محل کے باہر جا پہنچے۔ خاوند کو سوداگر کے بھیس میں ایک خیمے میں بٹھا کر سُنار کی بیوی جوگی بن کر بادشاہ کے پاس پہنچی اور مطالبہ کیا کہ میری رقاصہ کو میرے حوالے کر

دیکھیے ۔ جوگی کے روپ میں دُھونی رَمائے سُنار کی بیوی بس ایک ہی رٹ لگائے ہوئے تھی کہ مجھے اپنی رقاصہ واپس چاہیئے ۔ نظم :۔

" سارا دن انتظار میں گزرا ، سنیاسی اپنی رقاصہ کی تلاش میں آیا ہے" (بادشاہ نے جواب دیا) " میاں سنیاسی ۔ ہنگامہ نہ کرو ، میں تمہیں تاوان کے طور پہ ایک خاتون دینے کو تیار ہوں "

جوگی نے کہا کہ میں ایک بے بس سنیاسی سہی لیکن اپنی پاکدامن بھابی کے بدلے میں صرف شہزادی کو ہی قبول کر سکتا ہوں ۔ اور اس کے گلے میں ایک سو اشرفیوں کا ویسا ہی ہار ہونا چاہیئے ۔

راوی کہتا ہے کہ بادشاہ نے سو اشرفیوں کا ہار اپنی بیٹی کے گلے میں ڈالا ، اور اُسے سنیاسی کے سُپرد کیا ۔

یُوں سُنار کی بیوی نے شہزادی کو حاصل کر کے یہ کہہ کر اپنے میاں کے سُپرد کیا کہ لو میاں ــ تم جانو اور یہ جانے ۔

ــــــــــ یقیناً ایسا کارنامہ ایک عورت ہی انجام دے سکتی ہے ۔

بانسری

۱۔ جس پر بیتے گی۔ اُس کی بپتا ساٹ پردوں سے بھی ظاہر ہو کر رہتی ہے، بانسری کی بپتا وہ خود اپنی زبانی کہہ رہی ہے۔

۲۔ بانسری کہتی ہے کہ مالک تو صرف ایک ہے جو غصے اور نفرت سے پاک ہے۔

۳۔ بانسری کہتی ہے کہ خدا کی ذات تمام آلائشوں سے پاک ہے یہ دن رات جو خود ایک دوسرے کے چکر میں ہیں اسی ذاتِ واحد کے مشتاق ہیں۔

۴۔ اس خدا کا شکر کر جس نے اپنے پیارے نبیؐ (محمدؐ) کو پیدا کیا۔

۵۔ اُس کی مصاحبت کے لئے چار یار بھی پیدا کئے۔

۶۔ اُس کے نور سے تو آدمؑ پیدا ہوا اور آدم کے ساتھ یہ دُنیا (وقت)۔

۷۔ بانسری کہتی ہے کہ آدم کو تو پیشوا پیدا کیا گیا تھا لیکن مشیت کا تقاضا تھا کہ آدم ہی کی پسلی سے اماں حوا پیدا ہو۔

۸۔ بانسری اُس نیک ساعت کو یاد کرتی ہے۔ جب اللہ نے تمام مخلوق کو پیدا کیا۔

۹۔ اب بانسری اپنا حال بیان کرتے ہوئے کہتی ہے کہ اگر کوئی دل والا ہے تو میری فریاد سُن لے۔

۱۰۔ بانسری کہتی ہے کہ میں دُور جنگلوں میں برگ و بار کے گہنوں میں دلہن کی طرح بن سنور کر رہتی تھی۔

۱۱۔ بانسری کہتی ہے کہ میرا بچپن کتنا بلند قد آور تھا اور میں اپنے کانوں میں سونے کے آویزے پہنے ہوئے کتنا اتراتی پھرتی تھی۔

۱۲۔ یہ اُسی اترانے کا اور گھمنڈ کا بدلہ ہے کہ مقدر ایک کلہاڑی والے قاتل کا روپ دھار کر مجھ تک آ پہنچا۔

۱۳۔ یہ میرے اُسی قصور کی سزا تھی کہ کلہاڑی کو دیکھتے ہی میرے ہوش اُڑ گئے۔

۱۴۔ وہ خونخوار آدمی مجھ پر کلہاڑی سے وار کرتا، اور میرے بدن کو گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی طرح کاٹتا چلا گیا۔

۱۵۔ مجھ میں کس قدر گھمنڈ تھا۔ میں اپنے قد سے کتنی اونچی ہو رہی تھی اور اب اسی غرور کی پاداش میں یہ کلہاڑی والا آدمی میری جوانی کو کیسے مٹی میں ملا رہا ہے۔

۱۶ یہ اسی جدائی کا ہنگامہ ہے جو بانسری جنگل سے وداع ہوتے وقت جدائی کے درد سے برپا کر رہی ہے۔

۱۷۔ بانسری کہہ رہی ہے کہ مجھے جنگل سے گھسیٹ کر لانے کے بعد اس کلہاڑی والے آدمی نے ایک نجار (بڑھئی) کے سپرد کر دیا۔

۱۸۔ اب یہ بڑھئی مجھے گھوم پھر کر ہر پہلو سے دیکھ رہا ہے اور دیکھنے کے بعد ...... میری کانٹ چھانٹ میں مصروف ہو جاتا ہے۔

۱۹۔ بانسری کہتی ہے کہ آرے سے چیرنے کے بعد مجھے نجار نے چرخے پر چڑھا دیا۔

۲۰۔ چرخے کے چکر نے بانسری کو اپنے وہ ساتھی یاد دلائے جو دُور جنگل میں رہ گئے

تھے۔ اپنے ان ساتھیوں سے بانسری کچھ کہنا چاہتی ہے! بھلا کیا کہے گی؟

۲۰- بانسری کہتی ہے کہ میرے وہ ساتھی کیا ہوئے؟ میں اُنھیں تلاش کرنا چاہتی ہوں، وہ کہیں راستے ہی میں تو نہیں رہ گئے؟

۲۱- میں اپنے ان ساتھیوں کو اپنا سینہ چیر کر دکھاتی اور اپنے راز سے آگاہ کرتی۔

۲۲- میرا یہ کیا حال ہُوا ہے اور میں کیوں فریاد کر رہی ہوں۔ کیا صرف اپنے لئے، کیا یہ صرف مجھ ہی پر بیتی ہے؟

۲۳- بانسری کہتی ہے کہ میں بھری بزم میں فریاد کرنا چاہتی ہوں۔ میں سب لوگوں سے کہنا چاہتی ہوں کہ دُکھ اور دَرد کے بغیر کوئی عورت، کوئی مرد، اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔

راوی کہتا ہے کہ بانسری اپنے ساتھیوں سے کہنا چاہتی ہے کہ

۲۴- ذرا دیکھو تو مجھے نرم کر کے نقاش نے میرے جسم میں کیسے کیسے زخم اور کیسے سوراخ کر دیئے۔ ذرا دیکھو تو سہی میرا گوشت میری ہڈیوں سے کس طرح اُتارا جا رہا ہے؟

۲۵- میں فریاد کیوں نہ کروں میرا جسم چھلنی ہو گیا ہے۔ اور میں کیوں نہ ماتم کروں کہ میرا "خالق" چند کھوٹے سکّوں کے عوض مجھے بیچ کر سکّوں کے لئے ہاتھ بڑھا رہا ہے۔

راوی کہتا ہے کہ کھوٹے سکّوں کے عوض بِک جانے کے بعد اب بانسری کو اپنا نیستاں یاد آ رہا ہے اور اپنے اس مسکن کی طرف بانسری کچھ کہہ رہی ہے۔

۲۶- بانسری کہتی ہے کہ میرے دِل میں اُسی نیستاں کی آرزو ہے جہاں میں پیدا ہوئی اور اُسی مقام کے لئے میں بھٹک رہی ہوں۔

۲۷- میرا نیستاں کتنا اچھا ہے اس بات کا اندازہ کسی بھی ناواقف شخص کو کیسے ہو سکتا ہے؟

۲۸- میرے اس مقام سے کوئی بے خبر آدمی کیسے واقف ہو سکتا ہے۔

۲۹۔ بانسری کہتی ہے کہ اس مقام کی اصل تو صرف وہی شخص محسوس کر سکتا ہے، جو
مکان سے لامکاں تک کا سفر کر چکا ہو۔
۳۰۔ بانسری کہتی ہے کہ مولینا نے کیا اچھی مثنوی کہی ہے لیکن یہ بات تو وہ جانے
جسے عشق کے آزار کا تجربہ ہو۔
۳۱۔ بانسری کہتی ہے کہ میٹھی شراب تو کئی لوگ پی رہے ہیں لیکن تلخ دوائی کا یہ
جام دُور سدرہ بل کے مقام پر سبحان (شاعر) اکیلا ہی پی رہا ہے۔

اکلوتا بیٹا

روایت ہے کہ جس جگہ اب وُلر جھیل واقع ہے، وہاں کسی زمانے میں ایک قصبہ آباد تھا جس میں طرح طرح کے لوگ رہتے تھے کوئی امیر تھا کوئی غریب۔ لیکن سب لوگ صحت اور اولاد کی دولت سے مالا مال تھے۔ مائیں اپنے بیٹوں پر فخر کرتی تھیں تو بہنوں کو اپنے بھائیوں پر ناز تھا مگر ایک گھر ایسا بھی تھا جسے آخرت میں بخشش کی کوئی اُمید نہ تھی۔ دونوں میاں بیوی گھر میں اپنی سات بیٹیوں کو دیکھ دیکھ کر کڑھتے اور اپنے نصیب کو کوستے رہتے تھے۔ منتیں مانیں، چڑھاوے چڑھائے، جو پونجی بیٹیوں کے کام آتی وہ جوتشیوں کی نذر کرتے رہے، لیکن کوئی چیز کام نہ آئی۔ ہمسائے منحوس سمجھ کر کنی کتراتے رہے اور جوتشیوں نے بھی آئندہ کچھ دان پُن ملنے کی اُمید چھوڑ کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ اِن دونوں میاں بیوی کے پچھلے جنم کے گناہ اتنے زیادہ ہیں جن کا بوجھ اُٹھانا اولادِ نرینہ کے بس کی بات نہیں، اس لئے اِنہیں اگلے جنم میں بھی سزا سے نجات دلانے والے کسی بیٹے کی پیدائش کا خیال چھوڑ دینا چاہیئے۔ یہ حالت دیکھ کر دونوں میاں بیوی دن رات ایک دُوسرے سے چھُپ چھُپ کر آنسو بہاتے اور ساتوں لڑکیاں کونوں کھدروں

میں مُنھ چھپائے رہتیں کہ ماں باپ اُنھیں دیکھ کر ادرکبھی رنجیدہ نہ ہوں۔ تب رحمتِ حق کو جوش آیا اور ایک جوگی اچانک اس ویران گھر میں کہیں سے آ نکلا۔ جوگی نے کہا "سات بیٹیوں کی ماں! تجھے بیٹا چاہیئے نا؟ مل جائے گا لیکن اِس شرط پر کہ تو اُسے بارہ[12] برس تک میری امانت سمجھ کر اپنے پاس رکھے گی"۔ ممتا کی ماری رو کر بولی کہ جوگی جی میں اُسے ساری عمر آپ کی امانت سمجھ کر پاس رکھوں گی بس ایک بار میری یہ حسرت پوری کر دیجئے! —— پورے نو مہینے نو دن اور نو ساعتیں گزرنے پر اس ویران گھر میں بہار آ گئی، اور "اکلوتا بیٹا" یا اکہ نندنؔ چاند سورج کو شرماتا ہوا آیا —— باپ کو یہ جیتی جاگتی زندگی جیسے ایک خواب محسوس ہوتی تھی۔ ماں جوگی کی امانت کو کسی طرح اپنی گود سے الگ کرنے پر آمادہ ہی نہیں تھی اور ساتوں بہنیں ایک دوسرے پر بازی لے جانا چاہتی تھیں کہ کون اپنے بھیّا کو جان سے بھی زیادہ پیارا سمجھتی ہے —— یوں پلک جھپکنے میں بارہ برس بیت گئے۔ اَب اکہ نندنؔ باقاعدہ مدرسے میں سبق پڑھنے لگا اور گھر کے نو[9] افراد تو خود کو جیسے نو[9] نندنؔ کا شاہی خاندان سمجھتے تھے۔ پھر بھلا جوگی کو کون یاد رکھتا۔ گھر میں سب لوگ اکہ نندنؔ کی کسی شرارت کو یاد کر کے قہقہے لگا رہے تھے اور سب کی نگاہیں دروازے پر لگی ہوئی تھیں کہ لڑکا بس اب مدرسے سے واپس آیا ہی چاہتا ہے۔ اتنے میں دروازے پر مست الست جوگی کی آواز گونجی —— جوگی کی آواز سُن کر ماں دَروازے کی طرف لپکی، اور ساتوں بیٹیاں باورچی خانے میں چلی گئیں۔ جوگی کی آنکھوں میں سُرخ ڈورے تھے اور آواز کسی شُعلے کی طرح لپک رہی تھی۔ اُس نے للکار کر کہا —— "میری امانت میرے حوالے کر دو"—— ماں بولی "جوگی جی آپ تشریف تو رکھیئے اکہ نندنؔ مدرسے سے بس ابھی آتا ہی ہوگا"—— "نہیں تم اُسے چھپا رہی ہو—— ساتوں لڑکیاں اُسے مہندی رچا کر دُولہا بنا رہی ہیں —— وہ رہا——" ماں نے دیکھا کہ اکہ نندنؔ جیسے دُولہا بن کر کمرے سے نکل کر جوگی کی طرف آ رہا ہے ——

جوگی نے ایک خوفناک قہقہہ لگایا۔ ہا ہا ہا۔ آج ہم سب لوگ دعوت اُڑائیں گے۔ ہاں بھئی گھر والو ۔۔ دیگیں چڑھاؤ، آج اکے نندن کا گوشت ہم سب لوگ مل کر کھائیں گے۔ اس کے بعد کسی کو نہیں معلوم کہ گھر میں کیا ہو رہا ہے، گھر کے سب لوگ چلتے پھرتے سائے نظر آ رہے تھے اور کٹھ پتلیوں کی طرح جوگی کی ڈور پر حرکتیں کر رہے تھے۔ بہنیں چُولہا جلا رہی ہیں، باپ جوگی کے ہاتھوں سے گوشت کے ٹکڑے پکڑ کر دیگ میں ڈال رہا ہے اور ماں دیگ پکا رہی ہے ..... جوگی گھوم پھر کر ہدایات دے رہا ہے ۔۔ دیکھنا مائی دیگ ہلکی آنچ پر رہے ۔۔ لڑکیو، نمک مرچ برابر ہو، اور اپنے باپ سے کہہ دو کہ گوشت ہو یا ہڈی لڑکے کے جسم کا ایک بھی ٹکڑا ضائع نہ ہونے پائے .... سائے حرکت کرتے رہے اور کٹھ پتلیوں کا یہ تماشا ناٹک منڈلی میں چُپ چاپ جاری رہا ۔۔ تب جوگی خود کلامی کے انداز میں بولا ۔۔ ہاں اب بات بنی، اب صرف گیارہ تھال چاہئیں ۔۔ فرش پر بچھونا بچھایا گیا، اور گیارہ آدمیوں کے لئے کھانے کے تھال قرینے سے رکھے گئے ۔۔ کھانا چُنا گیا۔ جو صرف اکے نندن کے گوشت پر مشتمل تھا ۔۔ کمرے میں خاموشی کا ایک طویل وقفہ جوگی کی للکار پر ختم ہوا ۔۔ اکے نندن کو آواز دو۔ ماں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے پکارنا چاہا لیکن لفظ جواب دے گئے اور صرف چیخ کی آواز سُنائی دی ۔۔ "یُوں نہیں"۔ جوگی بُولا ۔۔ باہر دروازے پر جا کر گلی میں زور سے آواز دو"...... لڑکھڑاتے ہوئے ماں نے دروازے پر پہنچ کر بیٹے کا نام پکارا ۔۔ "جی امّی! آ رہا ہوں"۔۔ دُور سے آواز آئی ۔۔ اَمّی بہت زور کی بھوک لگ رہی ہے جلدی سے کھانا کھلائیں ...... یہ کہتے ہوئے اکے نندن صحن سے ہوتا ہُوا رسوئی کی طرف جا نکلا۔ ماں نے مُڑ کے دیکھا، ۔۔ کہاں کا جوگی اور کس کی دعوت ۔۔ سب لوگ گھر میں بھلے چنگے بیٹھے تھے ۔۔ اکے نندن کھانا مانگ رہا تھا۔

دردستان کا ترک

اگر دردستان کا سردار پندارک چشمے میں تیرتی ہوئی پیاری مچھلی کے جسم میں اپنے نیزے کی انی نہ جھونکتا تو اس کا سر جنگ کے میدان میں یوں جسم سے جدا نہ ہوتا۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب درد قوم کے سردار نے وادی پر حملہ کیا۔ حملہ آور سرحد کے ایک اہم گاؤں تک پہنچے تھے اور یہ بات طے تھی کہ اگلی صبح کو فیصلہ کن جنگ ہوگی۔ لیکن تقدیر کا مارا درد سردار اس چشمے کی طرف شام کو سیر کرتے ہوئے جا نکلا جو پندارک ناگ کہلاتا ہے۔ ہر چند کہ لوگوں نے اسے منع کیا لیکن درد سردار نے چشمے میں تیرتی ہوئی ایک خوب صورت مچھلی کو ہلاک کرنا چاہا۔ سردار نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور مچھلی پر نیزہ پھینکا۔ اچانک لوگوں نے دیکھا کہ چشمے سے ایک گیدڑ نکل آیا، اور درد سردار نے اندھا دھند اس کا پیچھا کیا۔ یہاں تک کہ وہ شاہی لشکر کے نرغے میں آگیا اور شاہی فوج نے درد سردار کا سر تن سے جدا کر کے حملہ آوروں کو اپنے ملک سے مار بھگایا۔ اس غیبی فتح کا سہرا پندارک ناگ کے سر باندھا جاتا ہے — ورنہ درد دوں کی بہادری سے کون واقف نہیں۔ اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ ہمارے

کئی جاگیردار بھی ورردوں سے دَر پردہ ملے ہوئے تھے۔ اسی لئے تو چشمے کی مچھلی کا شکار حرام ہے۔

موتل ہامہ کا کھوجؒ

یوں تو موتل ہامہ کا ہر باشندہ شیخ چلی ہے لیکن ان کا نمبردار شیخ چلی کا بھی سردار نکلا۔ گاؤں کے لوگوں سے مشورہ کرکے وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ کسی دوسرے گاؤں سے ایسی بیوی بیاہ کر لائی جائے جو عقلمند ہو تاکہ اس کے بطن سے عقلمند اولاد پیدا ہو، اور اس طرح پیدائشی بیوقوف ہونے کا وہ داغ دُھل سکے جو موتل ہامہ کے گاؤں پر ہمیشہ سے لگا ہوا ہے۔ تجویز تو اچھی تھی مگر اس پر عمل کیسے ہو جبکہ آس پاس کا کوئی گاؤں والا بھی اپنی بیٹی اِن روایتی بیوقوفوں کے پلے باندھنے کو تیار نہ تھا مگر یہ لوگ کہاں ماننے والے تھے۔ ہر دُوسرے روز ایک وفد تیار کرتے جو کسی گاؤں میں نمبردار کیلئے رشتہ مانگنے جاتا اور مار کھا کر واپس لوٹتا تھا۔ ہوتے ہوتے اِن حماقتوں کی کہانی دُور دُور تک پہنچی اور وہ جو انسانوں کی ایک تیسری جنس پانچ آدمیوں کو ساتھ لے کر گاؤں گاؤں ہار سنگھار کرکے ناچتی پھرتی ہے، اُن میں سے ایک نوگرفتار کو بیٹھے بٹھائے خیال آیا کہ یہ جو ہم گھر گھر لوگوں کی خیر مانگتے اور گا نا گا کر پیٹ بھرتے ہیں کیوں نہ ہم موتل ہامہ کے گاؤں جا کر وہاں کے نمبردار کی بیوقوفی سے فائدہ اُٹھائیں اور کچھ دن آرام سے بسر کریں۔

یہ سوچ کر وہ آدمی موتل ھامہ کے نمبردار سے ملنے کے لئے گیا اور انتہائی رازدارانہ لہجے میں اُس سے کہا کہ میں نے فلاں گاؤں میں آپ کے لئے دلہن تلاش کی ہے، وہ آپ کے نام کی شہرت سُن کر آپ پر عاشق ہو گئی ہے لیکن گاؤں والے اس کے تمام گھر والوں کو اس "جرم" کی پاداش میں اپنی بستی اور برادری سے خارج کرنے پر تلے ہوئے ہیں ۔ آپ کی نادیدہ محبوبہ کے چار بھائی ہیں اور ایک امّی جو دُور کے رشتے سے میری خالہ لگتی ہیں۔ اگر آپ ہم سب لوگوں کو اپنے گاؤں میں پناہ دیں تو میں سارے قافلے کو لے کر آجاؤں ۔۔ نمبردار بہت خوش ہوا، اور مہمانوں کے لئے گھر کی سجاوٹ میں مشغول ہو گیا۔ اُدھر تیسری جنس کے ساتھیوں نے ایک نوجوان فاحشہ عورت کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ اِس ملی بھگت میں اُن کا ساتھ دے۔ یُوں سات افراد کا یہ ٹولہ نمبردار کے گھر میں آدھمکا اور مزے مزے کی دعوتیں اُڑاتا رہا۔۔ دسترخوان پر بیٹھے بیٹھے نمبردار نے اپنے پُرکھوں کی عظمتوں کا بیان شروع کر دیا تو اکتاہٹ کی ماری فاحشہ عورت کے مُنہ سے بے ساختہ یہ جُملہ نکلا کہ "یقیناً بے وقوفوں کی اولاد بھی بیوقوف ہوتی ہے" اب یہ محض اتفاق تھا یا نمبردار کے عشق کی کرامت کہ یہ جُملہ اُس کے دل پر تیر کی طرح نشانے پر جا لگا۔ نمبردار کئی دن تک سوچتا رہا اور اُس کی پریشانی میں اضافہ ہوتا چلا گیا ۔۔ آخر فاحشہ عورت بولی کہ میرا سب سے چھوٹا بھائی جو میرا پیغام لے کر تُم تک آیا تھا، سب سے زیادہ ذہین ہے تُم اِسے اپنا بیٹا بنا لو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے لئے تمہیں فوری طور پر لکھا پڑھی کرنی ہوگی اور باضابطہ سرکاری کاغذات مکمل کرنے ہوں گے۔ نمبردار کے لئے یہ کون سی مشکل بات تھی اُس نے فوراً تمام کارروائی مکمل کر لی اور اپنی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد مُنہ بولے بیٹے کے نام منتقل کر کے اُسے اپنا وارث اور جانشین مقرر کیا ۔۔ کچھ مدّت تک یہ سلسلہ جاری رہا لیکن اس چالاک ٹولے سے اب نمبردار کی بیوقوفی برداشت نہیں ہو پاتی تھی اور اس سے چھٹکارے کی کوئی تدبیر

ضروری تھی۔ یہ تدبیر فاحشہ عورت نے یُوں عمل میں لائی کہ ایک دن سارے گاؤں والوں کو نمبر دار کی بیٹھک میں جمع کیا اور دو قدِ آدم آئینے گھر میں اس ترتیب سے رکھ دیئے جن میں اندر آتے اور باہر جاتے ہوئے آدمی کا عکس دیکھنے والوں کو اچھی طرح نظر آئے۔ دونوں آئینوں پر پردے لٹکا کر فاحشہ عورت نے گاؤں والوں سے کہا کہ میں اس گاؤں کی بڑی بہو ہوتے ہوئے یہ اندھیر برداشت نہیں کر سکتی کہ میرے دو شوہر ہوں، اور آپ کو اِس کی خبر بھی نہ ہو ــــ یہ کہہ کر اُس نے نمبر دار کو آئینوں کے سامنے سے گذرنے کو کہا تو لوگوں نے آئینوں میں ایک ہی شکل کے دو آدمیوں کو اندر آتے اور باہر جاتے ہوئے دیکھ لیا ــــ فاحشہ عورت چیخ کر بولی کہ اے گاؤں والو! اگر تمہارے نمبر دار میں ذرہ بھر بھی غیرت ہے تو اُسے ابھی بھاگ کر سامنے بہتے ہوئے دریا میں ڈوب مرنا چاہیئے ــــ "یقیناً ــــ ضرور ــــ بے شک" ــ سب لوگوں نے فاحشہ عورت کی تائید کی ــــ اور نمبر دار اِن آوازوں سے پہلے ہی دَوڑ کر دریا میں چھلانگ لگا چکا تھا۔

یُوں موتل ھامہ کو ایک "عقلمند" نمبر دار بھی مل گیا، لیکن اِن عقلمندوں کی شہرت میں کوئی بھی فرق نہیں آیا۔

سونے کی کان

روایت ہے کہ کشمیر کے کرکوٹہ خاندان کے ایک حکمران نے ایک شخص کو خواب میں دیکھا کہ چہرے پر تو پریشانی کے آثار ہیں لیکن ایک ہتھیلی پر سونے کی ڈلی اور دوسری پر تانبے کی ڈلی لئے ہوئے حکمران کو پیش کرنا چاہتا ہے۔ تب اِس شخص نے قریب آکر حکمران سے کہا کہ میں وُلر جھیل میں، جسے پُرانے زمانے میں مہا پدم سَر کہا کرتے تھے، صدیوں سے امن و سکون کی زندگی گزار رہا ہوں، لیکن آج میری زندگی خطرے میں ہے کیونکہ ایک غیر ملکی جادوگر جو دراوڑ دیش سے آیا ہے مجھے منتر پھونک کر تپتے ہوئے صحراؤں میں لے جانا چاہتا ہے۔ یہ غیر ملکی جادوگر پیسے کمانے کے لالچ میں مجھے پرائے لوگوں کے سامنے تماشا بنا دے گا اور مجھے یہ ذلت گوارا نہیں۔ اگر آپ مجھے اس اجنبی سپیرے سے نجات دلائیں تو میں آپ کو اپنی اس سرزمین میں ایک ایسے پہاڑ کا پتہ بتلا دوں گا جہاں سونے کی ایک بہت بڑی کان ہے ——— خواب سے بیدار ہو کر کشمیر کے حکمران نے ہر طرف پیادے دوڑائے اور دراوڑ سپیرے کو گرفتار کر کے دربار میں لایا گیا۔ سپیرے سے سوال کیا گیا کہ وہ اتنی بڑی جھیل سے اتنے بڑے سانپ کو کیسے پکڑ سکے گا

توسپیرا بولا کہ وہ جادو کی قوّت سے یہ کرشمہ دکھانے کو تیار ہے۔ تب اُس نے جھیل کے کنارے جا کر مناسب منتروں کی قوّت سے چاروں طرف تیر چلائے اور جھیل کا پانی اُترتے اُترتے تہہ تک پہنچ گیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ انسانی صورت کا ایک بالشت بھر سانپ دوسرے سانپوں کے درمیان کیچڑ میں بَل کھا رہا ہے۔ سپیرے نے کہا کہ حضرات آپ خود ملاحظہ فرمائیے۔ میں نے سانپوں کے اس بادشاہ کو جادو کے زور سے اتنا بے بس کر دیا ہے کہ اب میں اِسے آسانی سے پکڑ سکتا ہوں۔ یہ کہہ کر سپیرا تیزی سے سانپ کو پکڑنے کے لئے جھیل کی طرف جانے لگا لیکن سرکار نے اُسے ایسا کرنے سے منع کیا۔ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سپیرے نے منتروں کا اُتار شروع کیا اور جھیل پہلے کی طرح پھر پانی سے بھر گئی۔

سپیرا انعام واکرام لے کر رخصت ہُوا تو حکمران سوچنے لگا کہ کاش مہا پدم سر دُولر جھیل) کا ناگ مجھے ابھی اُس پہاڑ کا پتہ بتلا دے جہاں سونے کی کان واقع ہے۔ لیکن دن کی روشنی میں یہ ممکن نہ تھا، اسی تصوّر میں حکمران کی آنکھ لگ گئی تو اُس نے پھر ناگ کو انسانی شکل میں خواب میں یہ کہتے ہوئے پایا کہ" میں کس عنایت پر ایسے کرم فرما کو سونے کی کان کا پتہ بتلا دُوں جس نے مجھے بھری محفل میں رُسوا کیا ہو؟ ......" میں پرائے لوگوں کے ہاتھوں رسوائی کے خوف سے اپنے دیس کے رکھوالوں سے امداد کا طالب ہُوا۔ لیکن میری حفاظت کا یقین دلانے کے باوجود مجھے سرِ عام رسوا کیا گیا ...... رعایا کی نظروں میں حاکم سمندر کی طرح بے پایاں اور ناقابلِ تسخیر ہوتا ہے لیکن ایسے حاکم کی رعایا کی نظروں میں کیا خاک عزّت ہو گی جس کے سامنے رعایا کو کسی دوسرے جابر کے ہاتھوں ندامت اُٹھانی پڑے؟ ۔ یقیناً مجھے حاکم نے ایک اجنبی کے پنجے سے محفوظ رکھا لیکن مجھ میں وہ پہلی سی عزّتِ نفس کہاں باقی ہے کہ میں اپنے کنبے اور اپنی اُن عورتوں کی نظروں میں معتبر کہلا سکوں گا جن کی حفاظت میرا فریضہ ہے"...... مہا پدم ناگ نے دُکھ اور رنج کا اِظہار کرتے ہوئے چند لمحے

خاموشی اختیار کی اور اس کے بعد نرم اور اُداس لہجے میں خود کلامی کے انداز میں بولا کہ "خیر ایسے حکمرانوں کے لاابالی روّیئے پر حیران ہونے کی کیا بات ہے جو انجام کو دیکھے بغیر کسی کام کا حکم جاری کرنے کے عادی ہوں...... ایسے حکمرانوں کے نزدیک تو صاحب فہم لوگوں کی تذلیل کرنا محض ایک کھیل ہے حالانکہ حکمرانوں کی یہ دل لگی فہم و فراست رکھنے والے لوگوں کے لئے اذیت ناک موت سے کم نہیں...... اور میں اذیّت کی اس موت کا شکار ہونے کے باوجود آپ کو مایوس نہیں کرنا چاہتا ۔ سونے کی کان کے لئے جو ظرف چاہیئے وہ یہاں موجود نہیں، پھر بھی میں جاتے جاتے تانبے کی ایک کان کا پتہ بتلا دوں جو راجوری کی طرف اُس پہاڑ میں واقع ہے"۔ یہ کہہ کر ناگ نے خواب میں وادی کے حکمران کو ایسے اِشارے دیئے جن سے تانبے کی کان کا سُراغ لگانا بہت آسان تھا ۔ اور کچھ دنوں بعد تانبے کی اس عظیم کان کا سُراغ مل گیا۔

یوسف زلیخا

(کورس)   اے دوست! یوسف زلیخا کی داستان سن لے۔

(زلیخا کہتی ہے)

"تم میری دعوت قبول نہیں کرو گے یوسف۔ کبھی کبھار تو آیا کرو!

(کورس):   یوسف زلیخا کی داستان سن لے....

زلیخا: میرے محل کے سات ایوان ہیں، یہ سب تیری دید کے منتظر ہیں۔ پل بھر یہاں آکر بیٹھ جاؤ۔

(کورس):   ...... داستان سن لے.....

(راوی) اپنے بت خانے کو زلیخا نے ڈھانپ لیا

.... داستان سن لے۔

(یوسف کہتا ہے)" وہاں کیا چھپا رکھا ہے ہمیں کیوں نہیں دکھاتیں؟

(زلیخا کہنے لگی) " یہ تو میرا خدا ہے"

(کورس)   .... داستان سن لے۔

(یوسف کہتا ہے) "خدا تو وہی ایک ہے۔ اپنے دل سے دُوئی کو نکال لے خدا تو ایک شمع کی طرح روشنی بخشتا ہے۔

(کورس) ...... داستان سُن لے۔

خدا تو وہی ہے جس نے اپنے جلوؤں سے اس عالم کو آشکارا کیا۔ بھلا کہیں پتھروں سے بھی تیرا مدّعا پورا ہو سکتا ہے؟

حضرت یوسف دامن چھڑا کر بھاگ گئے اور زلیخا ان کے تعاقب میں ہے۔ یوسفؑ بھاگ رہا ہے اور زلیخاؔ پیچھے دوڑ رہی ہے۔ کہنے لگی: "بھئی یہ کوئی بات ہے بھلا"؟

(آخر) یوسفؑ کا گریبان پکڑ کر زلیخاؔ انہیں بادشاہ کے سامنے لائی۔

راوی کہتا ہے کہ:

"حکمران عزیزِ مصر کو حضرت یوسفؑ سے پرخاش تھی۔

اب یوسفؑ قید میں ہے اور کوئی نہیں سُنتا۔ رہائی اللہ کی طرف سے ہوگی۔

جب یوسفؑ کو قید خانے میں ڈال دیا گیا تو وہاں برسوں پُرانے قیدیوں نے کچھ خواب دیکھے۔ صبح کو ایک قیدی نے اپنا خواب بیان کیا، تو حضرت یوسفؑ نے اس قیدی کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ بادشاہ کے حکم سے تم قتل کئے جاؤ گے اور اُسے بادشاہ نے مروا ڈالا۔ دوسرے قیدی کے خواب کی تعبیر بتاتے ہوئے حضرت یوسفؑ نے اُس سے کہا کہ:

"تم بادشاہ کے پیش کار ہو گے۔ لیکن دیکھنا ہمیں بھول نہ جانا۔

قیدیوں نے خواب دیکھے اور مزے کی تعبیریں پائیں وہ دوسرے ہی دن رہا ہو گئے۔

(کورس) ...... داستان سُن لے۔

راوی : اب بادشاہ - عزیزِ مصر خواب دیکھتا ہے۔
بادشاہ خواب دیکھ کر پریشان ہوگیا، اور ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔
ہنگامہ کس بات کا ؟
یہ جو سارے مُلّا، بابا، پیر اور فقیر موجود ہیں اور کوئی بادشاہ کے خواب کی تعبیر نہیں بتا سکتا۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ان ملاؤں، باباؤں، پیروں اور فقیروں کے بدلے صرف ایک حکمت والا (دانا) پیدا ہو......
کس بات کا حکیم ؟ جو بادشاہ کے خواب کی تعبیر بتا دے۔
ایک غُلام نے عزیزِ مصر سے کہا کہ خواب کی تعبیر بتانے کے ماہر حضرت یوسؑف ہیں۔
خواب کی تعبیر بتانے کا ملکہ یوسؑف کو ودیعت ہُوا ہے......... وہی تیرے دکھوں کی دوا ہے.......
حضرت یوسؑف کو زندان سے نکال کر دربار میں لایا گیا۔ بادشاہ نے اُن سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے اور مُجھے اس کی تعبیر چاہیئے۔
حضرت یوسؑف نے پوچھا کہ "خواب کیا تھا ؟ بادشاہ نے کہا کہ میں نے خواب میں سات خشک چشموں کو دیکھا جو پانی سے بھرے ہوئے سات چشموں کو ایک سانس میں پی گئے۔
سات کچی بالیاں دیکھیں جو دانوں سے بھری ہوئی سات پکے خوشوں کو نگل گئیں۔ سات دُبلی گائیں دیکھیں جو سات مست (فربہ) سانڈنیوں کو نگل گئیں۔
اس خواب کی مجھے تعبیر چاہیئے۔
یوسؑف نے کہا ...... "قحط پڑے گا"
راوی کہتا ہے کہ جونہی حضرت یوسؑف کے منہ سے خواب کی تعبیر بیان ہوئی — بادشاہ نے شدید بھوک محسوس کی۔ حکم دیا کہ فوراً کھانا لایا جائے۔ حالانکہ یہ بادشاہ

کے کھانے کا وقت نہ تھا لیکن خواب کی تعبیر کے اثر سے بادشاہ مغلوب تھا۔ کھانا جو کچھ منگوایا تھا ایک سانس میں ختم کر بیٹھا، اور حکم دیا کہ اور لاؤ ...... دیگیں خالی ہوتی چلی گئیں اور کھانا کھاتے ہی بادشاہ کی موت واقع ہوئی۔

دوسرے روز وزیروں نے منادی کی کہ کل تمام لوگ عیدگاہ (میدان) میں جمع ہو جائیں جس شخص کے سامنے ہاتھی جھک جائے اور جس کے انگوٹھے پہ باز آکر بیٹھ جائے وہی بادشاہ کہلائے گا۔

راوی کہتا ہے: کہ سب لوگوں کے ساتھ حضرت یوسفؑ بھی عیدگاہ پہنچے جہاں ہاتھی نے انہیں سجدہ کیا اور باز اڑتے اڑتے اُن کے ہاتھ پہ آکر بیٹھ گیا۔

اب حضرت یوسفؑ بادشاہ بن گئے۔

اب حضرت یوسفؑ نے اپنی شان دکھائی اور سواری کے لئے ایک ہاتھی منگوا لیا۔ یوسفؑ بادشاہ کہلایا ....

.... داستان سُن لے۔

اے وہابؔ (شاعر) حضرت یوسفؑ کے گُن گاتا جا اور لا الٰہ الا اللہ کا وِرد کرتا جا۔

(کورس) ..... یوسف زلیخا کی داستان سُن لے۔

"پانتہ چھوکھ" کی بیٹیاں

" پانتہ چھوکھ" کے گاؤں سے ہر ایک کشمیری باشندہ تو واقف نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ کہاوت سبھی کشمیری جانتے ہیں کہ ۔" پانتہ چھوکھ ، نوش سوکھ کورین دوکھ "۔

اس کہاوت کے معنی یہ ہیں کہ پانتہ چھوکھ کے گاؤں کی بہو دکھیا ہوتی ہے اور بیٹی سُکھ اُٹھاتی ہے۔" پانتہ چھوکھ" کے لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ کہاوت یا بد دعا اُن کے ہمسایہ گاؤں سے اُن کی پرانی دشمنی کا نتیجہ ہے ۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ہمسایہ گاؤں کی ایک بیٹی " پانتہ چھوکھ " میں بیاہی گئی تھی ۔ ایک دفعہ کسی بات پر دونوں گاؤں میں ٹھن گئی اور دوسرے گاؤں کے لوگوں نے اپنی بیٹی کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ " پانتہ چھوکھ " کے " رکھوالے مجذوب " کی بے حرمتی کرے ۔ تب اس مجذوب نے یہ بد دعا دی کہ اس گاؤں کی لڑکیاں سُکھی رہیں گی اور بہوئیں ہمیشہ دکھ اُٹھائیں گی۔ اس بد دعا کے اثر سے بچنے کے لئے لوگوں نے یہ تدبیر بھی کر دیکھی کہ بیٹی کا رشتہ گاؤں سے باہر نہ کیا جائے ۔ لیکن یہ اثر پھر بھی قائم رہا ، اور گاؤں کی ہر بیٹی میکے میں ہی خوشی محسوس کرتی ہے ۔ دوسرے گاؤں کے لوگ اس کہانی کو یوں بیان کرتے ہیں کہ

پُرانے زمانے میں ایک مجذوب پانتہ چھوکھ گاؤں میں رہا کرتے تھے جو روحانی طور پر اس گاؤں کے مالک یا رکھوالے تھے۔ اِس مجذوب ہستی کو تن بدن کا کوئی ہوش نہ تھا اور کسی بھی شخص کو اِن کے نزدیک جانے کی ہمت نہیں پڑتی تھی، جو کوئی بھی اُن کے قریب جانے کی کوشش کرتا دو چار گالیاں یا پتھر کھا کر واپس لوٹتا۔ لیکن پھر بھی حاجت مند لوگ ملنگ بابا کے قریب جانے کی کوشش ضرور کرتے کیوں کہ اُنہیں ملنگ بابا کی گالی یا پتھر کھا کر اپنے دل کی مُرادیں پوری ہونے کا پختہ یقین تھا۔ اس یقین کا عملی ثبوت گاؤں کا وہ اکلوتا نوجوان تھا جس کے ماں باپ اپنے پیچھے پانچ چھ سال کی ایک بچّی کو چھوڑ کر مر گئے تھے۔ ایک دن یہ افسردہ نوجوان اپنی چھوٹی بہن کو ساتھ لے کر مجذوب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجذوب نے اُسے دیکھتے ہی پہلے گالیوں اور پھر پتھروں کی بوچھاڑ کر دی۔ نوجوان آدمی پتھر کھا کر بھاگا اور گھبراہٹ میں اپنی چھوٹی بہن کو وہیں چھوڑ گیا۔ معصوم بچی اپنی جگہ کھڑی رہی۔ مجذوب نے بڑے پیار سے بچی کا ہاتھ تھام کر اُس سے مزے مزے کی باتیں شروع کر دیں ..... نوجوان پلٹ کر آیا تو مجذوب نے پھر اُسے ڈانٹ ڈپٹ کر اپنے سے دُور رکھا۔ اور بچی سے توتلی زبان میں باتیں کرنے لگے ...... بس پھر کیا تھا، سارے گاؤں میں یہ بات مشہور ہو گئی اور لوگ اس یتیم بچی کو کوئی آسمانی مخلوق سمجھنے لگے۔

دیکھتے ہی دیکھتے نوجوان کے دکھ دلدر بھی دُور ہو گئے اور ہمسایہ گاؤں کے ایک کھاتے پیتے گھرانے نے اُسے رشتے کی پیش کش کی۔ اِدھر یتیم بچی "ملنگ کی بیٹی" کے نام سے مشہور ہو گئی اور گاؤں والے" ملنگ بابا کے لئے ضرورت کی ہر چیز اسی بچی کے ہاتھ بھیجتے، جسے ملنگ بابا قبول کر لیتا۔ گاؤں کی بے اولاد عورتیں خاص طور پر اسی یتیم بچی کا سہارا لے کر باباجی سے اولاد کی طالب ہوتیں اور جس عورت پر جتنے زیادہ پتھر یا گالیاں برستیں، اُتنا ہی اُسے اپنی دلی مُراد بر آنے کا پختہ یقین ہو جاتا۔ کتنی ہی بانجھ

عورتیں تھیں جنہیں باباجی کی دُعا سے اولاد کی دولت مل گئی۔ لیکن تعجب کی بات یہ تھی کہ ملنگ کی بیٹی کا بھائی شادی کے برسوں بعد بھی اولاد سے محروم تھا۔ گاؤں کی عورتوں کا خیال تھا کہ اس کی بیوی اپنی یتیم نند سے اچھا سلوک نہیں کرتی اور یہ بات کسی حد تک سچی بھی تھی۔

ویسے تو بہو بیگم گاؤں کی سبھی عورتوں کو خاطر میں نہ لاتی تھی کیوں کہ وہ ایک کھاتے پیتے گھرانے کی بیٹی تھی اور اس کا میاں بھی اُس کے سامنے بھیگی بلّی بنا رہتا تھا۔ لیکن یتیم بچی کے ساتھ اس کا سلوک کچھ اِس وجہ سے بھی ظالمانہ تھا کہ اُسے بھائی کے لاڈ پیار نے بہت بگاڑ رکھا تھا۔ اور اُس کی اصلاح بہو بیگم کے نزدیک سخت ضروری تھی۔ اُدھر اولاد نہ ہونے کی وجہ سے بہو بیگم بھی کچھ پریشان تھی اور گاؤں والوں کی سوالیہ نظریں اُس کے سینے پر تیر بن کر پیوست ہوتی تھیں۔

یتیم بچی کے ساتھ اس کا برتاؤ اب اذیّت کی حدوں کو چھو رہا تھا۔ وہ یتیم بچی کو گھر گرہستی کے ایسے کاموں میں اُلجھائے رکھتی کہ وہ ملنگ بابا کے پاس نہ جا سکے، اور ملنگ بابا تھے کہ اس بچی کے بغیر کسی اور کے ہاتھوں کھانا بھی نہ کھاتے تھے ـــ ایک دن بہو بیگم نے دال اور چاولوں کا ایک بھرا ہوا تھال یتیم بچی کے سامنے رکھا کہ وہ دال اور چاولوں کے دانے الگ الگ چُنتی رہے۔ دوسرے دن اُسے کوڑے کے ڈھیر میں سوئی تلاش کرنے کا کام سونپ دیا گیا، اور ملنگ بابا کھانے کا انتظار کرتے کرتے گاؤں والوں کو صلواتیں سُناتے رہے۔

گاؤں کی عورتیں اس بات پر متفق تھیں کہ بہو بیگم یتیم بچی پر صرف اس لئے ظلم نہیں کرتی کہ وہ اپنے بھائی کی بہت زیادہ لاڈلی ہے بلکہ اس ظلم کی اصل وجہ اولاد سے محرومی کا وہ احساس ہے جو بہو بیگم کو گھن کی طرح کھائے جا رہا ہے۔

ملنگ باباجی سے یتیم بچی کا تعلق بہو بیگم کی آنکھوں میں کچھ یوں بھی زیادہ کھٹکتا تھا

کر یہی ملنگ بابا گاؤں کی اکثر عورتوں کو اولاد کی نعمت سے سرفراز کر چکے تھے ....

بہو بیگم کو یہ بات بھی گوارا نہ تھی کہ وہ گاؤں کی عام عورتوں کی طرح باباجی سے اولاد کی بھیک مانگنے چلی جائے اور سرِ عام گالیاں سُنے ۔ اُدھر باباجی خود بھی یہ بات محسوس کر رہے تھے کہ بہو بیگم انہیں اچھی نظر سے نہیں دیکھتی اور وہ یتیم بچی کو بھی اُن سے دُور رکھنا چاہتی ہے ۔.... آخر ایک دن باباجی نے گاؤں کے ماحول کو اس عورت کے شر اور غرور سے محفوظ رکھنے کا مصمم ارادہ کر لیا ۔ اُنہوں نے یتیم بچی کے ہاتھ بہو بیگم کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ بچی کے ہاتھ مٹی کا ایک کوزہ بھجوا دے تاکہ باباجی ایک خاص شربت بھیج کر گھر بیٹھے اس کے بانجھ پن کا علاج کر سکیں ۔

یہ پیغام سُن کر بہو بیگم کی انا کو کچھ تسکین پہنچی اور وہ رات کے اندھیرے میں بھاگی بھاگی خود باباجی کے پاس حاضر ہوئی ۔ اب نہ جانے باباجی نے انہیں وہ خاص شربت پلایا یا نہیں لیکن صبح کو یہ خبر سارے گاؤں میں پھیل چکی تھی کہ بہو بیگم کو چُپ لگ گئی ہے ۔ تمام حکیموں اور ویدوں کا خیال تھا کہ اس صحت مند عورت کے گونگے پن کا سبب کوئی اچانک صدمہ ہی ہو سکتا ہے لیکن گاؤں والوں کو یقین تھا کہ یہ سب کچھ یتیم بچی پر ظلم کرنے اور باباجی کی عزت نہ کرنے کا نتیجہ ہے ۔ اُس دن سے لے کر آج تک اِس گاؤں کی کسی بہو کو کبھی بھی سچی خوشی حاصل نہیں ہوئی ۔

اَبر بادشاہ

بزرگوں نے کہا ہے کہ شیطان رجیم نے بیکار انسانوں کے لئے تین کام مقرر کئے ہیں، اور داناؤں نے بھی یہی بات اس طرح کہی ہے کہ بیکار آدمی کا ذہن شیطان کا کارخانہ ہوتا ہے۔ یہی حال ایک زمانے میں اُن درباریوں کا تھا جنہوں نے کشمیر کے حکمرانوں کو اپنے ہاتھوں میں کھلونا بنا رکھا تھا۔ ایسے ہی درباریوں سے تنگ آکر ایک بادشاہ اپنا تخت و تاج چھوڑ کر قندھار (گندھارا) چلا گیا اور مرتے وقت اپنے بیٹے کو یہ وصیّت کر گیا کہ وہ اپنے وطن جا کر اُن سازشی درباریوں سے انتقام لے لے۔ اس جلاوطن بادشاہ کے بیٹے کا نام اَبر بادشاہ یا بادلوں کا سردار تھا۔ اَبر بادشاہ اپنے باپ کی وفات کے بعد بھیس بدل کر کشمیر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ درباریوں نے پہلے تو وزیرِ اعظم کو اپنا بادشاہ بنایا اور پھر اُسے ذلیل کر کے ایک ایسے اجنبی کو اپنا حکمران تسلیم کر لیا جو اُسی روز سویرے سویرے نہ جانے کس دیس سے کشمیر میں داخل ہوا تھا۔ یہ اجنبی بظاہر تو کوئی جوگی دکھائی دیتا تھا لیکن اس نے حکومت کا انتظام اتنی عمدگی سے چلایا کہ غریب لوگ اُسے دعائیں دینے لگے۔ اُس کے قدم کچھ ایسے

مبارک ثابت ہوئے کہ ملک میں کوئی بھی محتاج نہ رہا، اور سب لوگ اطمینان کا سانس لینے لگے۔ اُدھر درباری حاکموں کے لئے یہ امن وامان پریشانی کا باعث بن گیا اور اُنہوں نے اس اجنبی بادشاہ کا خاتمہ کرنے کے لئے سازشوں کا جال بچھایا۔ یہ درباری حاکم طرح طرح کی سازشیں کرتے رہے۔ لیکن ان کا کوئی نتیجہ نہ نکلا، اور عام لوگ اب اِن درباری سازشوں کا سرِعام مذاق اُڑانے لگے۔ تب درباری سازشیوں نے مشورہ کر کے اندھیرے دیس کے جادوگروں سے امداد کی درخواست کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ ایک تو اندھیرے دیس تک پہنچنے کے لئے ھمالیہ کے برفیلے پہاڑ کو عبور کرنا تھا اور دوسرے یہ کہ اندھیرے دیس کے جادوگر کسی دشمنی کے بغیر خواہ مخواہ کسی بے گناہ آدمی پر اپنا جادو نہیں چلا سکتے تھے۔ کیوں کہ جادونگری کے ان لوگوں کو ہر سال ایک خاص تہوار کے موقعہ پر اس وعدے کو دُہرانا پڑتا تھا کہ وہ بے گناہ لوگوں پہ جادو کے تیر نہیں چلائیں گے .....

بہت سوچ بچار کے بعد درباری سازشیوں نے یہ چال چلی کہ اجنبی بادشاہ کے ہاتھوں کسی طرح سے کشمیر کی اُس ویران عبادت گاہ کی بے حُرمتی کروائی جائے، جو جادوگروں سے منسوب تھی۔ ان لوگوں نے بھولے بادشاہ سے یہی حرکت کروائی۔ اور اندھیرے دیس سے (جہاں سورج کی روشنی کبھی زمین تک نہیں پہنچتی) ایک جادوگرنی نے بادشاہ سے انتقام لینے کی غرض سے کشمیر کا رُخ کیا اور شاہی محل کے قریب تاک میں بیٹھی مناسب موقعہ ڈھونڈتی رہی۔

اتفاق سے بادشاہ سویرے سویرے عبادت کے لئے گھر سے نکلا، تو سامنے ایک نحیف عورت کو ہاتھ پھیلائے ہوئے دیکھا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ کیا چاہتی ہے؟ جادوگرنی بولی کہ وہ بھوک سے نڈھال ہے اور اُسے اپنا مَن بھاتا کھانا میسّر نہیں۔ بادشاہ نے اُس کی فرمائش پوری کرنے کا وعدہ کیا تو جادوگرنی نے مطالبہ کیا کہ اُسے

تازہ گوشت فراہم کیا جائے۔ بادشاہ اس مطالبے سے پریشان ہوا۔ کیونکہ اُس کے مذہب اور قانون کے مطابق کسی جانور کو مارنا جُرم تھا اور جادوگرنی نے اپنے مطالبے کو دُہراتے ہوئے نہایت طنز سے کہا کہ اے بادشاہ میں تیری دریا دلی اور رحم کے قصے سُن کر دُور دیس سے چلی آئی تھی، اگر تو کسی جاندار کا گوشت فراہم نہیں کر سکتا، تو مجھے اپنے جسم کا گوشت ہی کھلا دے۔ بہتر یہ ہو گا کہ تو مجھے اپنے بازوؤں کی بوٹیاں کھلا دے کیونکہ تیرے ہاتھوں سے ہماری ایک پُرانی عبادت گاہ کی بے حرمتی ہوئی ہے اب بادشاہ اصل حقیقت کی تہہ تک پہنچا، اور اُس نے اپنے گناہ کی معافی چاہی۔

بادشاہ پر یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ اس جادوگرنی کا تعلق جس ملک سے ہے وہاں کے لوگ جادو پر تو اب بھی یقین رکھتے ہیں لیکن انہوں نے اُس نئے مذہب کو بھی اختیار کیا ہے جس میں کسی جاندار کا خون بہانا منع ہے۔ وہ اسی شش و پنج میں مبتلا تھا کہ جادوگرنی بولی "اے بادشاہ! تو اِس ملک کے سازشی درباریوں سے رعایا کو محفوظ نہیں رکھ سکے گا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ تو میرے ساتھ میرے ملک میں آ جا۔

بادشاہ نے کہا کہ میں اس ملک کے لوگوں کو سازشی درباریوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر کیسے جا سکوں گا؟ جادوگرنی بولی کہ جو میں جادو کے علم سے جانتی ہوں وہ تو نہیں جانتا۔ پس سُن لے کہ اِن ظالموں کے دن گنے جا چکے ہیں۔ جس بادشاہ کو ان لوگوں نے جلاوطن کیا تھا اُس کا بیٹا اس شہر میں موجود ہے جو ان تمام ظالموں کا خاتمہ کر دے گا۔ تب بادشاہ نے دوسرے ہی روز یہ اعلان کیا کہ وہ راج پاٹ چھوڑ کر جا رہا ہے، اور جانے سے پہلے تمام شہریوں سے ملنا چاہتا ہے۔ یہ اعلان سُنتے ہی تمام لوگ شاہی محل کی طرف چل پڑے۔ درباری خوش تھے کہ انہیں اس بادشاہ سے بیٹھے بٹھائے نجات ملی ہے اور اب وہ اپنی پسند کے کسی اور کٹھ پتلے کو تخت پر بٹھا دیں گے لیکن اُن کی اُمیدیں اس وقت خاک میں مل گئیں جب جادوگرنی نے جلاوطن بادشاہ کے

بیٹے کو پنڈال پر جا کر لا کھڑا کیا، اور کہا کہ

"اے لوگو! یہ تمہارے اُس بادشاہ کا بیٹا ہے جسے سازشی درباریوں نے جلا وطن کر دیا تھا، اور اب اِس شہزادے کی تلوار اُن تمام سازشی درباریوں کو ٹھکانے لگا دے گی۔ جو آج تک بادشاہ اور رعایا کے درمیان دیوار بنے رہے"

یہ اعلان سُنتے ہی لوگ ظالم درباریوں پر پل پڑے۔ اور ان کا خاتمہ کرنے کے بعد جلا وطن شہزادے کو تخت پر بٹھا دیا۔ اس شہزادے کے عدل و انصاف کا یہ عالم تھا کہ لوگ اُسے آبر بادشاہ یا میگھ راج کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

سوداگر کی کہانی

ایک سوداگر کسی دوسرے شہر کو مال خریدنے کے لئے چلا گیا۔ اس کے گھر میں جو بیوی تھی، وہ ایک بھکاری کو دل دے بیٹھی۔ کچھ مدّت گزری۔ ایک دن سوداگر مال لے کر اپنے گھر لوٹ آیا۔ بادشاہ تک بھی یہ بات پہنچی کہ فلاں سوداگر دوسرے شہر سے مال لے کر واپس آ گیا ہے۔ رات کو بادشاہ بھیس بدل کر شہر کی سیر کو نکلا۔ رات کا پہلا پہر گزرنے پر بادشاہ اُس سوداگر کے گھر کے قریب پہنچا اور اُس کے مکان کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ اچانک بادشاہ نے یہ منظر دیکھا کہ سوداگر کی بیوی چُپ چاپ کھانے کا ایک تھال سر پر رکھ کر گھر سے باہر نکلی۔ آگے آگے سوداگر کی بیوی اور پیچھے پیچھے بادشاہ دبے پاؤں چلتے گئے۔

سوداگر کی بیوی شہر سے باہر ایک میدان میں پہنچی جہاں گداگر (اُس کا عاشق) بیٹھا آگ تاپ رہا تھا۔ سوداگر کی بیوی نے اُسے سلام کیا۔ چاولوں کی تھالی اُس کے آگے رکھ دی اور کھانا کھانے کو کہا۔

گداگر نے غصّے میں اس عورت پر لاٹھی کا ایک وار کیا۔ اور للکارا کہ "تُو اتنی

دیر گئے کیوں آئی ؟ وہ کہنے لگی کہ آج میرا خاوند سفر سے واپس آگیا ہے اس لئے دیر ہو گئی۔ اب اُٹھ کر کھانا کھالو۔

گداگر بولا کہ یُوں میں کھانا نہیں کھاؤں گا، پہلے اپنے میاں کا سر کاٹ کر میرے قدموں میں رکھ دو۔ بادشاہ یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور اُن دونوں کی گفتگو سُن رہا تھا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ سوداگر کی بیوی اُٹھی، گھر کا رُخ کیا، اور دَبے پاؤں گھر میں داخل ہو گئی۔ بادشاہ اس کا تعاقب کر کے یہ تمام ماجرا دیکھتا رہا۔

جُوں ہی سوداگر کی بیوی گداگر کے پاس پہنچ گئی گداگر نے اس کے خاوند کا کٹا ہوا سر دیکھ کر اپنی پوری قوت اور نفرت سے سوداگر کی بیوی کے سر پر لاٹھی دے ماری۔ گداگر بولا ”تو جو اپنے خاوند کی وفادار نہیں تو مجھ سے بھلا کیا وفا کرے گی۔؟

یہ ماجرا دیکھ کر بادشاہ نے اِن دونوں کو وہیں چھوڑ کر اپنے گھر کی راہ لی اور سو گیا۔

صبح ہوتے ہی ایک ہنگامہ برپا ہو گیا کہ سوداگر کو جو کل ہی اپنے گھر واپس آیا تھا۔ چوروں نے مار ڈالا۔ سوداگر کی بیوی بھی بادشاہ کے پاس پہنچ کر فریاد کرنے لگی کہ رات کو چوروں نے میرے میاں کو قتل کر ڈالا۔

اب بادشاہ کو تو سب معلوم ہے کہ سوداگر کا قاتل کون ہے ___ متعلقہ لوگ قاتل کا سراغ لگا رہے ہیں لیکن کچھ معلوم نہیں ہو پاتا ___ کہ قاتل کون ہے؟

اُستاد بیان کرتا ہے کہ آخر لوگوں نے اِس سوداگر کی نعش کو اُٹھا کر جلانے کے لئے شمشان بھومی تک پہنچا دیا۔ بادشاہ بھی یہ تماشا دیکھنے کو اُدھر کی جانب روانہ ہو گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ

سوداگر کی بیوی شمشان بھومی کے گرد چکر لگا رہی ہے اور اپنے میاں کی چِتا

میں جلنے کے لیئے بے چین ہے۔ وہ چتا میں چھلانگ لگانے کو دوڑی تو بادشاہ نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر معنی خیز انداز میں پوچھا۔ "وہ سب کیا تھا اور یہ سب کیا ہے"؟ یعنی وہ رات والی بات کیا تھی اور یہ کیا بات ہے کہ میاں کو قتل کر کے اب اُس کی چتا میں جل رہی ہو؟ سوداگر کی بیوی نے کہا کہ پہلے مجھے چتا میں جل جانے دو۔ باقی رہا تمہارا یہ سوال، سو اس کا جواب تمہیں میری ایک بہن سے ملے گا۔ جو فلاں چشمے پہ رہتی ہے اور اُس چشمے کی دیوی ہے۔

بادشاہ نے سوداگر کی بیوی کا ہاتھ چھوڑ دیا اور وہ اپنے خاوند کے ساتھ چتا میں جل مری۔

کل بادشاہ اُس چشمے کی طرف روانہ ہو گیا اور چشمے پر ایک عورت کو دیکھا۔ بادشاہ نے اُس سے وہی سوال کیا کہ اگر "وہ بات تھی تو یہ کیا بات ہوئی"؟۔ اُس عورت نے بادشاہ سے کہا کہ آٹھ دن بعد تمہیں تمہارے سوال کا جواب مل جائے گا۔ آٹھ دن گزر گئے اور بادشاہ اُس چشمے کی طرف بھاگا۔ اُس عورت سے پوچھا کہ اس بات کا مطلب بتا دو؟ عورت کہنے لگی کہ جا کر ایک گھڑا اور ایک بکرا لے آؤ۔ بادشاہ گھڑا اور بکرا لے آیا۔ اُس عورت نے چشمے میں گھڑے کو اُلٹا کر اُس پہ بکرے کی گردن رکھ دی اور بادشاہ سے کہا کہ "تلوار کا وار کرو۔ بکرے کی گردن پہ تلوار کا وار کرتے ہی بادشاہ اُس جگہ سے غائب ہو گیا ___ بالکل غائب۔

اُستاد کہتا ہے کہ بادشاہ کی آنکھ کھلی تو اپنے آپ کو ایک باغ میں پایا۔ بادشاہ نے ایک پلنگ بچھا ہوا دیکھا اور اُس پر لیٹ کر آرام کیا ___ اب پریوں کا ایک غول آیا اور بادشاہ کو اُٹھا کر ایک ایسی جگہ پہنچا دیا گیا جہاں بادشاہ نے محسوس کیا کہ وہ جنت میں ہے۔ اب نغمہ و سُرود کا دور شروع ہوا، اور بادشاہ رقص و سُرود کی اس محفل میں کھو گیا۔ پریاں رخصت ہو گئیں اور جاتے ہوئے

بادشاہ کے ہاتھ میں ایک چابی تھما دی اور اُسے ایک کمرے کے دروازہ کا تالا کھولنے کو کہا۔ بادشاہ نے اندر داخل ہو کر ایک سجے سجائے گھوڑے کو دیکھا اور اُس کی لگام تھام کر اُسے باہر لے آیا۔ پریوں نے کہا کہ اس گھوڑے پر سوار ہو جائیے۔ بادشاہ نے گھوڑے پر سوار ہوتے ہی ایک نظر میں وہ سب کچھ دیکھ لیا جو خدا نے سات زمینوں کے اُوپر اور نو آسمانوں کے نیچے پیدا کیا ہے، اور اُسی میں محو ہو گیا۔ "کیا دیکھ رہے ہو؟" شیطان نے بادشاہ کی توجہ اپنی طرف مبذول کی۔ "جو کچھ اللہ میاں نے پیدا کیا ہے سو دیکھ رہا ہوں۔" بادشاہ بولا۔ شیطان نے کہا کہ "اس سے زیادہ تو میں تمہیں دکھلا سکتا ہوں لو یہ میری چابی لے کر اُس کمرے کا دروازہ کھولو، اور اندر داخل ہو جاؤ۔" بادشاہ اندر داخل ہوا، تو دیکھا کہ ایک گدھا تھان پر بندھا ہوا ہے۔ شیطان نے حکم دیا کہ اس گدھے پر سوار ہو جاؤ جو کچھ اللہ میاں نے پیدا کیا ہے اُس سے بھی سوا دیکھو گے۔"

بادشاہ گدھے پر سوار ہو گیا۔ اُستاد کہتا ہے کہ گدھے نے بادشاہ کو سیدھے اپنے گھر پہنچا دیا۔ بادشاہ گدھے کی پیٹھ سے نیچے اُتر کر اپنے محل میں داخل ہوا۔ اب جو مُڑ کر پیچھے دیکھا تو گدھا غائب۔ بادشاہ اُس باغِ جنّت کی یاد میں تڑپ رہا تھا، لیکن اب دوبارہ وہاں کیسے پہنچے۔

اُستاد کہتا ہے کہ بادشاہ پھر اسی چشمے پر پہنچا اور اُس عورت سے پھر وہی سوال پُوچھا کہ "اگر ایسا ہے تو ویسا کیوں ہے"؟ عورت بولی کہ ایک گھڑا لاؤ اپنے بیٹے کو بھی لے آؤ، ایک تلوار بھی ساتھ لیتے آنا۔ بادشاہ نے حکم کی تعمیل کی تو وہ عورت کہنے لگی "اِس چشمے میں اُتر جاؤ۔" اپنے بیٹے کو بھی چشمے میں اُتار دو۔ اور گھڑے پر اُس کی گردن رکھ کر اُسے لِٹا دو۔

بادشاہ نے اپنے بیٹے کو کان سے پکڑا، اور تلوار لہرا کر اس کی گردن پر وار کر رہا تھا کہ عورت نے بادشاہ کا بازو پکڑ کر کہا ــ "ٹھہر جاؤ"۔ اب تو یہ بات تمہاری سمجھ میں آ گئی نا؟ــ" یہ وہی بات ہے اور وہ بھی ایسی ہی بات تھی" یعنی تم باغ پر عاشق ہو گئے اور بیٹے پر وار کرنے لگے میری بہن بھی اُس گداگر پر عاشق تھی اور اُس نے اپنے خاوند پر وار کیا۔

ہیمہ مال اور ناگ رائے

پُرانے زمانے میں اننت ناگ (اسلام آباد) میں ایک غریب برہمن رہا کرتا تھا۔ یہ اُس دور کی بات ہے جب وہاں اننت ناگ کی پوجا کی جاتی تھی۔ غریب برہمن کی اپنی غربت ہی کیا کم تھی کہ اِس پر اُس کی بد زبان بیوی نے بھی اُس کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔

ایک دن بدمزاج بیوی نے پریشان حال برہمن کے ہاتھ میں یہ کہہ کر ایک تھیلا تھما دیا کہ آج گھر میں ایک دانہ بھی اناج کا نہیں ہے اور جب تک چوری کر کے یا بھیک مانگ کر ہی سہی، کچھ کھانے کے لئے نہ لاؤ، اس گھر میں قدم نہ رکھنا۔ برہمن تھیلا لے کر گھر سے تو چل دیا لیکن اُس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ آخر وہ کھانے کے لئے اناج کہاں سے لائے؟ اُس کا سر چکرانے لگا اور وہ اننت ناگ کی ایک روش پر تھیلہ سرہانے رکھ کر سو گیا۔ کچھ دیر بعد برہمن کی آنکھ کھلی تو اُسے تھیلے میں کسی چیز کی سرسراہٹ محسوس ہوئی۔ دیکھا تو تھیلے میں ایک سانپ گھسا بیٹھا ہے۔ برہمن نے فوراً تھیلے میں گرہ لگائی اور یہ سوچتے ہوئے تیزی سے گھر کی طرف روانہ ہوا کہ "غربت و افلاس کو برداشت کرتے ہوئے تو آدھی سے زیادہ عمر بیت گئی ہے، باقی دن بھی گزر

ہی جائیں گے۔ لیکن بدمزاج بیوی کو برداشت کرنے کی اب مجھ میں ہمت باقی نہیں ہے، کیوں نہ آج یہ تھیلا اُس کے سپرد کر دوں، جسے کھولتے ہی وہ زہریلے سانپ کا شکار ہو جائے ــــ گھر پہنچتے ہی برہمن چلّایا کہ "بیوی دیکھو تو میں تھیلے میں کیا چیز لایا ہوں"ــــ

برہمن کی بیوی نے تھیلے کا مُنہ کھولا تو سانپ کو دیکھ کر خوف کے مارے چیخ اُٹھی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے ایک نیا منظر دیکھ کر اُس کی آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئیں ــــ سانپ نے جُون بدل کر ایک خوب صورت لڑکے کا رُوپ اختیار کیا اور بولا "پیارے لوگو! اگر تم دونوں مجھے اپنی اولاد کے طور پر قبول کر لو تو ساری عمر ہنسی خوشی گزار لو گے"ــــ بے اولاد عورت نے بچّے کو گلے سے لگایا اور برہمن بھی بہت خوش ہوا۔ اس لڑکے کا نام "ناگ رائے" رکھا گیا، جس کے معنی ہیں چشمے کا رکھوالا یا سانپوں کا سردار۔ کیونکہ یہ لڑکا اُنہیں اننت ناگ نامی چشمے پر سانپ کے رُوپ میں حاصل ہوا تھا ــــ چند برس یونہی بیتے اور یہ لڑکا اب ایک خوب صورت نوجوان تھا ــــ ایک دن ناگ رائے شاہی محل کی طرف جا نکلا، اور سانپ کا رُوپ دھار کر دیوار کے ایک سوراخ سے محل کے اندر داخل ہو گیا۔

محل کے جنوب میں ناگ رائے نے ایک تالاب میں جی بھر کے غسل کیا اور اسی روپ میں دیوار کے سوراخ سے باہر نکل کر پھر انسان کا رُوپ دھار لیا اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا۔

شاہی محل میں غسل کرنے کا یہ سلسلہ کئی دن جاری رہا۔ جہاں اب وہ سانپ کی جُون بدل کر انسانی شکل میں بھی غسل کیا کرتا تھا۔

ایک دن راجکماری کی نظر اس پر پڑی اور اس نے اپنی خادمہ کو اس کی ٹوہ لگانے کے لئے بھیج دیا۔ خادمہ نے راجکماری کو بتایا کہ وہ قصبے کے ایک غریب برہمن کا اکلوتا

بیٹا ناگ رائے ہے۔

راجکماری نے اپنے دل میں یہ بات ٹھان لی کہ وہ صرف اور صرف اسی نوجوان سے شادی کرے گی۔ اس کے باپ نے بہت زور لگایا کہ وہ اس غریب برہمن لڑکے کے ساتھ بیاہ نہ کرے لیکن آخر اُسے ہار ماننی پڑی۔ اور برہمن کے گھران دونوں کو بیاہنے کے سلسلے میں پیغام بھیجا گیا۔

برہمن پریشان تھا۔ لیکن ناگ رائے نے یہ کہہ کر اس کی پریشانی دور کر دی کہ ابا جان آپ بھوج پتر لے کر اس چشمے میں ڈال دیں جہاں میں آپ کے تھیلے میں گھس گیا تھا۔ پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ برہمن نے بھوج پتر کو چشمہ میں پھینک دیا اور آنکھیں ملتے ہوئے کیا دیکھتا ہے کہ اس کے سامنے ایک محل کھڑا ہے جس میں شادی کے تمام سامان سجے ہوئے ہیں۔ یوں ناگ رائے اور ھیمہ مال کی شادی ہوئی۔ اور وہ خوش خوش رہنے لگے۔

ادھر پاتال میں جہاں ناگ رائے کی کئی رانیاں تھیں یہ خبر پہنچ گئی کہ ناگ رائے نے ایک آدم زاد سے شادی کر لی ہے۔ رانیاں یہ سُن کر جل بھُن گئیں اور ایک رانی نے ناگ رائے کی عیاشیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس نے پاتال سے نکل کر ایک عورت کا روپ دھار لیا اور چاندی کے برتن سر پہ اٹھائے ہوئے ھیمہ مال کے گھر تک پہنچ کر (لے لو چاندی کے برتن) کی ہانک لگائی ان برتنوں میں چاندی کا وہ پیالہ بھی تھا جس میں ناگ رائے پاتال میں رہ کر دودھ پیتا تھا۔ شام کو ناگ رائے گھر پہنچا تو ھیمہ مال کے ہاتھوں میں یہ پیالہ دیکھ کر چونک پڑا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ ناگ رانیوں کی سازش ہے۔ لیکن اس نے ھیمہ مال کو صرف اتنا کہہ کر بات کو ختم کرنا ضروری سمجھا کہ "ایسی عورتوں سے کوئی چیز نہ خریدا کرو۔ کچھ دنوں بعد ناگ رائے کی ایک اور ناگ رانی بنجارن کا روپ دھار کر آئی اور ھیمہ مال سے پوچھا "کیا میرا شوہر

ناگ رائے اس گھر میں رہتا ہے۔" مجھے معلوم تھا کہ وہ نیچ ذات کا آدمی کسی برہمن گھرانے کو پلید کر کے چھوڑے گا۔

ھیبہ مال کو ان باتوں کا یقین نہ آیا تو بنجارن نے کہا کہ اگر تجھے میری باتوں پر یقین نہیں آتا تو ذرا ناگ رائے سے کہہ دے کہ وہ شہر کے باہر مقدس چشمے کے پانی میں کھڑے ہو کر یہ قسم کھالے کہ وہ ذات کا برہمن ہے۔

شام کو ھیبہ مال نے مشکوک انداز میں کچھ سوال پوچھے تو اس نے ھیبہ مال کو یہ کہہ کر خاموش کرنا چاہا کہ ایسی فضول باتیں اپنے دماغ میں نہیں بٹھایا کرتے، لیکن ھیبہ مال بھلا کہاں ماننے والی تھی۔ آخر ناگ رائے کو قسم کھانے کے لئے مقدس چشمے پر جانا ہی پڑا۔ جوں ہی ناگ رائے چشمے میں اُترا، اسے ناگنوں نے نیچے پاتال کی طرف کھینچا اور ھیبہ مال چشمے کے کنارے ناگ رائے کو غائب ہوتے دیکھ کر ہاتھ ملتی اور روتی دھوتی رہ گئی۔

اب اس کا سارا وقت پوجا پاٹ کرنے اور غریبوں کو دان دینے میں گزرتا۔ ایک روز ھیبہ مال کے گھر سے کسی جوگی کا گزر ہوا اور جوگی نے اسے اپنی آنکھوں دیکھا یہ واقعہ سنایا کہ میں ایک دن فلاں چشمے سے گزر رہا تھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ خوش پوش خوب صورت راجکمار چشمے سے نکلا اور اپنے ہاتھ میں کھانے پینے کی چیزوں سے بھرا ہوا ایک تھال لے کر ایک درخت کی طرف بڑھا اس راجکمار نے تھال کو درخت کے نیچے زمین پر رکھا اور کہا کہ "پیاری ھیبہ مال یہ کھانا تمہارے نام کا ہے۔"

یہ سنتے ہی ھیبہ مال کو یقین ہو گیا کہ چشمے سے کھانے کا تھال لے کر نکلنے والا آدمی ناگ رائے کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا ۔۔ وہ چشمے پر گئی اور ناگ رائے کے انتظار میں بیٹھی رہی۔

آدھی رات کو ناگ رائے چشمے سے برآمد ہوا تو ھیبہ مال اُسے دیکھتے ہی پکار اٹھی ۔۔۔

"ناگ رائے مجھے چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے"۔ ناگ رائے کو معلوم تھا کہ ناگ رانیاں ھیمہ مال کو جینے نہ دیں گی۔ لیکن ھیمہ مال ناگ رائے سے جدا ہونے پر تیار نہ تھی۔ آخر ناگ رائے نے ھیمہ مال کو ایک چمکتے ہوئے ہیرے میں بدل دیا۔ اور اپنے ساتھ لے کر پاتال چلا گیا۔

ناگ رانیوں کے دلوں میں پہلے ہی شک تھا انہوں نے ناگ رائے سے ملتے ہی پہلا سوال یہی کیا کہ آپ سے انسانی جسم کی بُو کیوں آ رہی ہے۔ تب ناگ رائے نے ناگ رانیوں کی منت سماجت کی اور وہ اس بات پر راضی ہو گئیں کہ ھیمہ مال اپنے اصل انسانی روپ میں ان کے ساتھ رہے گی۔ ناگ رانیاں ھیمہ مال کو طرح طرح سے ستاتی تھیں۔ ایک دن اُسے سنپولوں کے لئے دودھ گرم کرنے کو کہا گیا —— اتفاق سے ھیمہ مال کے ہاتھوں گرم گرم دودھ کے برتن پر چمچہ چھوٹ کر گر گیا — اور سنپولوں نے یہ سمجھا کہ اُنہیں دودھ پینے کے لئے بلایا گیا ہے۔ وہ بھاگے بھاگے آئے اور اُبلتے ہوئے دودھ کی کڑاہی میں گر کر مر گئے۔

اس حادثے سے ناگنوں کے ہوش وحواس جاتے رہے اور اُنہوں نے ٹوٹ کر ھیمہ مال پر ایسا حملہ کیا کہ وہ اُن کے ڈسنے سے موت کی سرحدوں تک جا پہنچی۔ ناگ رائے نے اپنی محبوبہ کو مردہ حالت میں پایا تو اس کی لاش اُٹھا کر پاتال سے باہر لے آیا — لاش کو ایک چنار کے نیچے چھوڑ کر ناگ رائے واپس پاتال چلا گیا۔ اتنے میں وہاں سے کسی جوگی کا گزر ہوا تو اس نے چنار کے نیچے ایک خوب صورت عورت کی لاش کو پڑا پایا۔ جوگی نے کچھ جڑی بوٹیاں تلاش کر لیں اور ھیمہ مال کو اُٹھا کر اپنی کٹیا میں لے آیا۔ ادھر ناگ رائے پاتال سے واپس آیا تو لاش کو غائب پایا۔ کھوج لگایا تو معلوم ہوا کہ ھیمہ مال جوگی کی کٹیا میں ہے۔ ناگ رائے سانپ کا روپ دھار کر کٹیا میں داخل ہوا تو دیکھا ھیمہ مال گہری نیند سو رہی ہے۔

ناگ رائے کنڈلی مار کر اُس کے سرہانے بیٹھا رہا۔ اتفاق سے جوگی کا ایک چیلا اندر آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ دھیہ مال کے سرہانے ایک سانپ کنڈلی مارے بیٹھا ہے۔ اُس نے ایک ہی وار سے سانپ کو مار ڈالا ۔ شور سُن کر دھیہ مال جاگی تو دیکھا کہ اس کا محبوب مرا پڑا ہے۔ خیر سانپ کو چتا میں جلا یا گیا ۔ اور دھیہ مال نے بھی اسی آگ میں کود کر جان دے دی۔

جوگی کو اس حادثے سے بڑا دکھ پہنچا کہ مصیبت کی ماری ایک عورت کا جوگی کی تحویل میں ہونے کے باوجود اتنا بُرا انجام ہو۔ غمگین جوگی آنکھیں بند کئے یہی سوچ رہا تھا کہ اس کے کانوں میں آواز آئی ۔" اے جوگی ان دونوں کی راکھ کو چشمے میں پھینک دے "۔ جوگی نے اس غیبی آواز پر عمل کیا تو کیا دیکھتا ہے کہ دھیہ مال اور ناگ رائے انسانی رُوپ میں چشمے سے باہر نکل آئے اور اس کے بعد برسوں تک ہنسی خوشی زندگی بسر کرتے رہے ۔

لالہ ملک کا گیت

میرے مالک ۔میری گریہ وزاری، میری فریاد سُن لے اور مجھے بچالے کہ یہ
دنیا تو ایک بازی گر کی طرح فریب دیتی ہے۔
پہلے حضرت آدم کو بنایا گیا۔ فرشتوں نے آدم کی تعمیر میں حصہ لیا، پھر
ابلیس نے آدمؑ کو ایسا بہکایا کہ بدنام ہو کر رہ گیا۔
یہ دنیا تو دھوکہ ہے۔
حضرت نوحؑ سے جو آدمؑ کی اولاد تھے کس طرح لوگوں نے منہ پھیر لیا۔ پھر
حضرت نوح کی آہ نے وہ طوفان بپا کر دیا کہ وہ ساری دنیا کو لے ڈوبا۔
یہ دنیا تو بازی گر کا تماشہ ہے
حضرت موسیٰؑ نے ایک قدم بڑھ کر مولیٰ کا دیدار کیا اور کوہِ طور پہ باتیں کیں
یہ دنیا ایک بازیچہ ہے۔
حضرت ابراہیم کیا کم تھے جنہوں نے بتوں کی پوجا سے منہ موڑا۔ انہی نے تو دینِ محمدیؐ
کو مستحکم کیا۔

میرے مرنے پر مجھے اپنے ہی بھائی اور دوست قبر میں اتاریں گے۔ وہاں مجھے اِس کے سِوا اور کیا دکھلائیں گے کہ یہ دنیا ایک دھوکہ ہے ۔

طوطا کہانی

اُستاد کہتا ہے کہ ایک شہر تھا ، وہاں ایک بادشاہ تھا جس کا نام تھا بہادر خان ۔ اُس بادشاہ نے اپنی بیگمات کے لئے ایک باغ بنوایا تھا ۔ اُس باغ میں کسی نامحرم کو جانے کی اجازت نہیں تھی اور اُسی باغ میں اچانک کہیں سے ایک فقیر دکھائی دیا ۔ نظر بازوں نے نگاہ کی اور "خبرداروں" نے آگاہی کی ۔ بادشاہ کو آگاہ کیا گیا کہ ایک فقیر بیگمات کے باغ میں گھس آیا ہے ۔ بادشاہ نے سنا تو وزیر کو اپنے ساتھ لے کر باغ میں پہنچا اور وہاں ایک فقیر کو موجود پایا ۔ (نظم)

" وہ (خدا) جس کے لاکھوں نام ہیں ہر جگہ اور ہر شے کو دیکھتا ہے ــــــــ
سُن لے اے انسان ۔ اس دُنیا میں وفا کا کہیں نشاں نہیں ملتا ۔

بادشاہ نے کہا ، اے درویش ! تو کون ہے ، یہاں کیوں اور کہاں سے آگیا ؟

فقیر نے کہا کہ میں نے سیر کی ۔ تمہارا کیا بگاڑا ؟ سُن لے اے انسان ــــــ وفاداری کا دنیا میں کوئی وجود نہیں ہے "

بادشاہ کے سامنے پھولوں سے لدے پھندے ایک درخت کے نیچے ایک

بُلبل مردہ حالت میں پڑی ہوئی ہے ، فقیر پر کپکپی سی طاری ہوگئی اور نیچے گر کر بے ہوش ہوگیا۔ فقیر کے گرتے ہی بُلبل کے مردہ جسم میں جان آگئی اور وہ ہوا میں اُڑنے لگی۔ وُہ ایک چکر کاٹ کر بلبل مردہ حالت میں پھر زمین پر آگری۔ اور بادشاہ کو یہ تماشا دکھا کر فقیر دوبارہ زندہ ہوگیا۔ فقیر اُٹھ کر جانے لگا۔ اب بادشاہ اور وزیر اس کے پاؤں پڑ رہے ہیں۔

کہنے لگے : (نظم)

" اے درویش ! ہم تیری خدمت کریں گے۔ اے فقیر ہم دودھ کی بالائی کے پیالے تجھے پیش کریں گے۔ ہم تیرے لئے خاص پُلاؤ پکائیں گے۔
سُن اے انسان کہ دنیا میں وفا کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ہے ؛"

جو " وظیفہ " فقیر کے پاس تھا اُس راز سے اُس نے بادشاہ کو آگاہ کیا اور بادشاہ نے وہی بھید اپنے لالچی وزیر کو بھی بتا دیا۔ : (نظم)

" بادشاہ نے وزیر کی تربیت کی اور اُسے بھی راز سے واقف کر دیا۔ پھر وہ دونوں شکار کرنے چلے گئے ۔ سُن لے کہ وفاداری عنقا ہے۔ اُنھوں نے بیابان میں ایک طوطے کو مردہ حالت میں پایا۔ بادشاہ نے وزیر سے کہا اے وزیر یہ طوطا زندہ حالت میں کتنا خوبصورت ہوگا ؟ میرا جی چاہتا ہے کہ اِسے تھوڑی دیر زندہ حالت میں دیکھوں۔ پس اے وزیر تُو اپنی رُوح اِس مُردہ طوطے میں داخل کرلے ۔ سُن لے کہ وفاداری عنقا ہے۔

وزیر نے کہا : " بادشاہ سلامت ۔ یہ طوطا تو نہ جانے کب سے مُردہ حالت میں ہے۔ اس کے جسم کی بدبُو تو ناقابلِ برداشت ہے۔ میں تو اس کے پاس ٹھہر بھی نہیں سکتا۔ پھر میں اپنی روح اِس میں کیسے داخل کرسکوں گا ؟
سُن لے کہ وفاداری معدوم ہے ؛"

بادشاہ نے وزیر کی منت سماجت کی کہ میں ایک نظر دیکھ لوں۔ زندہ حالت میں یہ طوطا کس قدر خوب صورت ہوگا۔ لیکن وزیر نے ایک نہ سُنی۔ کیونکہ اُس کا دل فریب اور دغا سے بھرا ہوا تھا۔

اب بادشاہ خود اِس مُردہ طوطے کے جسم میں داخل ہوگیا اور اپنے جسم کو رُوح سے خالی کرگیا۔ طوطا زندہ ہوکر فضا میں اُڑ رہا ہے۔ وزیر نے فوراً اپنی روح کو بادشاہ کے مردہ جسم میں داخل کردیا کیونکہ یہی اس کی خواہش تھی۔ (نظم)

بادشاہ نے خود غلطی کی اور اب وزیر کو قصوروار قرار دے رہا ہے حالانکہ وزیر تو کب سے اس موقع کی تلاش میں تھا.....

"سُن لے کہ وفاداری کا کہیں بھی وجود نہیں ہے۔"

طوطا آسمان کی سیر کر رہا ہے اور وزیر بادشاہ کے مُردہ جسم میں داخل ہوکر بادشاہ کے رُوپ میں زندہ ہوگیا ہے۔

نقلی وزیر بادشاہ کے رُوپ میں لوگوں کے سامنے شاہی گھوڑے پر سوار ہوکر پہنچا اور کہنے لگا کہ اے لوگو! میرا وزیر گھوڑے سے گِر کر ہلاک ہوگیا ہے یہ خبر لوگوں میں ہر جگہ پھیل گئی۔

سُن لے کہ وفاداری عنقا ہے۔"

بادشاہ کے مُردہ جسم میں داخل ہوکر وزیر نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے مُردہ جسم کو شمشیر سے ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔

نئے بادشاہ (وزیر) نے فوج کو حُکم دیا کہ تمام تیرانداز اور بندوقچی جاکر طوطے کو ہلاک کردیں۔ جو آدمی طوطے کو مار ڈالے گا۔ اُس پر انعام واکرام کی بارش ہوگی۔

تیرانداز کو حکم دیا کہ میری باتوں پر کان دھرو، میں حُکم دیتا ہوں کہ طوطے کو ہر حالت

میں ہلاک کیا جانا چاہیئے۔
سُن لے کہ وفاداری عنقا ہے۔

طوطے نے جونہی یہ حالت دیکھی وہ بھاگ گیا۔ طوطا اسی بادشاہ کے پاس پہنچ گیا جو اُس دن بیگمات کے باغ میں ظاہر ہوا تھا۔ جو اصل بادشاہ ہے وہ تو فقیر کے پاس ہے۔ اور اُس کو کسی نے بھی ہلاک نہیں کیا۔

ایک روز یہ نیا بادشاہ سیر کو نکلا، اور ایک جگہ پہنچ کر اُس نے سونے کی طرح چمکتے ہوئے ایک ہرن کو دیکھا، بادشاہ اور لشکر اُس ہرن کے تعاقب میں بھاگے اور اُسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ بادشاہ نے سب کو انتباہ کیا کہ جس شخص کی جانب سے ہو کر ہرن بھاگ نکلا اُس آدمی کو اپنی جان کی قیمت دینی پڑے گی۔

اُستاد کہتا ہے کہ اُس ہرن نے سیدھے بادشاہ کی طرف جست لگائی اور بادشاہ کے سَر سے گزرتے ہوئے ایک ہی چھلانگ میں گھیرے کو توڑ کر بھاگ نکلا۔

اب جو وہ طوطا یعنی اصلی بادشاہ تھا، اُسے صاحبِ حال فقیر نے ہدایت کی کہ تو آج یہاں سے چلا جا۔ آج تو اپنی مُراد پالے گا۔ اُدھر نقلی بادشاہ اور اُس کا لشکر ہرن کے تعاقب میں مصروف ہے لیکن ہرن اُن سے بہت دُور آگے آگے بھاگتا چلا گیا۔

داستان گو کہتا ہے کہ لشکر کی راہ میں ایک مُردہ ریچھ پڑا ہُوا تھا۔ بادشاہ نے اپنی روح کو اس ریچھ کے مُردہ جسم میں داخل کر دیا اور ریچھ کے قالب میں ہرن کے پیچھے دوڑا، اور اپنے جسم کو (جو اصل میں پہلے بادشاہ کا جسم تھا) راستے ہی میں چھوڑ دیا۔ یہ خبر سنتے ہی طوطا دوڑا، اور ایک درخت کے تنے میں چھُپ کر انتظار کرتا رہا۔ اُس نے (یعنی بادشاہ نے) اپنے مردہ جسم کو دوبارہ پالیا۔ مبارک ہو:
سُن لو کہ وفاداری اس دنیا میں ناپید ہے۔

طوطا نیچے گر گیا اور روح اپنے (بادشاہ کے) قالب میں دوبارہ داخل ہوگئی۔
باقی رہی وزیر کی بات، اُس کی روح تو ریچھ کے قالب میں ہرن کا تعاقب کر رہی تھی
اب اصلی بادشاہ نے شاہی گھوڑے پر سوار ہو کر لوگوں سے کہا کہ "ریچھ کو مار ڈالو"
بندوقچیوں نے ریچھ کی ٹانگ پر گولی مار دی اور اُسے زخمی حالت میں بادشاہ کے
پاس لے آئے۔ بادشاہ نے کہا کہ تُم نے میرے ساتھ غداری کی ہے۔ میں شاید
تمہیں ہلاک نہ کرتا لیکن لوگ مجھے طعنے دیں گے کہ بادشاہ نے ایک ریچھ کو اپنا
وزیر بنایا ہے۔ تُو نے اپنے مُردہ جسم کے خود ہی ٹکڑے کر دیئے ہیں اور ظاہر ہے کہ
ریچھ کے جسم میں تو میرا وزیر نہیں رہ سکتا۔ اُستاد کہتا ہے کہ لشکر نے لکڑیوں کا ایک
ڈھیر جمع کر کے ریچھ کو آگ کے شعلوں کی نذر کر دیا۔

کوئی سو برس کے قریب کی عمر کو پہنچ کر بادشاہ (بہادر خان) کی روح ملک
الموت نے قبض کر لی۔ اے وہاب (شاعر) تُو بس اب اللہ کو یاد کئے جا۔
کہ وفاداری عنقا ہے۔

کسان کی بیوی اور شہد کی مکھی

اُستاد (راوی) کہتا ہے کہ ایک کسان کی بیوی گھر بار چھوڑ کر بھاگ نکلی۔ بھاگنے کی وجہ یہ تھی کہ کارِدار نے، گاؤں کے نمبردار نے، اُس پر ظلم ڈھائے تھے۔ انہی مظالم کی وجہ سے کسان کی بیوی گھر چھوڑ کر جنگل کی طرف بھاگ گئی۔ جنگل میں پہنچ کر اس کی ملاقات شہد کی مکھی سے ہو گئی۔ شہد کی مکھی یُوں گویا ہوئی۔ "تم گھر سے کیوں بھاگیں؟"

"مجھ پر کار دار اور نمبردار نے بڑا ظلم کیا ہے"۔ کسان کی بیوی نے کہا۔ میرے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ میں رو رہی ہوں۔ تو میرے دکھوں پر کان دھر لے......:

شہد کی مکھی نے کہا۔ :

اے سہیلی! آؤ اُس کے پاؤں پڑیں، منت سماجت کریں۔ میں تو جنگل کی ایک معمولی سی مخلوق ہوں۔ شہد کی مکھی، پہاڑوں کی بلندی پر کھِلنے والے پھولوں کا رس چُوس کر میں نے اپنے بال بچوں کے لئے شہد تیار کر لیا۔ لیکن بُرا ہو اُس ریچھ کا جس نے اس جنگل میں بھی مجھے دم نہ لینے دیا، شہد کے لالچ میں میری اولاد کو، میرے آشیانے کو اس کم بخت ریچھ نے تباہ کر ڈالا۔ اور میرے معبود تجھے رحم نہ آیا۔

میں تو جنگل کی ایک حقیر مخلوق شہد کی مکھی ہوں ....
یہ داستان بیان کرتے ہوئے شہد کی مکھی نے کسان کی بیوی سے کہا کہ جنگل کے ریچھ نے جب میرا یہ حال کر دیا تو میں نے بھاگ کر ایک کسان کے گھر میں پناہ لی۔ میں نے سوچا تھا کہ اب مجھے راحت ملے گی لیکن اب دیکھ لو کہ کسان میری کیا گت بنائے گا۔ لو سن لو کان دھر کے سنو کہ اس کسان نے میرے لئے ایک آرام دہ کمرہ تیار کر لیا۔ دہقان کا یہ گھر میرا سسرال بن گیا اور اسی بات سے مجھے زیادہ دکھ ہوا کہ ریچھ کے بعد اس کسان نے ایک درانتی لے کر میرے شہد کے چھتے کو گھاس کی طرح کاٹ کر لوٹ لیا ....

اپنی بپتا سنا کر شہد کی مکھی نے اب کسان کی بیوی سے پوچھا کہ تجھ پر کیا بیتی ہے ؟ کسان کی بیوی نے کہا کہ لو پھر سن لو کہ میرے ساتھ کیا ظلم روا رکھا گیا۔ زندگی تو اسی دنیا میں گزارنی ہے۔ زمین کے نیچے تو آخر جانا ہی ٹھہرا۔ اور یہ بات مجھے بھی معلوم ہے کہ ہمیں ہمیشہ کے لئے زمین پر نہیں رہنا ہو گا۔

جب بہار کے موسم میں کھیتی باڑی کا موقع آیا تو زمینوں کے مالک (جاگیردار) کسانوں کو بہلانے کے لئے آ گئے اور ان سے چکنی چپڑی باتیں کرتے رہے۔ لیکن فصلیں تیار ہونے پر پیار محبت کی وہ تمام باتیں بھول کر وہی جاگیردار ہمیں مارنے پیٹنے کی غرض سے کھلیانوں میں آ دھمکے۔ ابد تک یہیں تو نہیں رہنا ہو گا..... جو جو بیج میں نے اپنی ماں، زمین کے سینے میں محنت سے بوئے وہ پکی ہوئی فصل کی صورت میں آنکھوں کے سامنے آ گئے۔ لیکن یہ سینکڑوں من اناج جب میں نے کھلیان میں جمع کر لیا تو پٹواری ناپ تول کے لئے آسمان سے آفت بن کر ٹپک پڑا۔

اس موقع پر جو بھی عاجز اور مسکین بھکاری میرے کھلیان میں آیا۔ میں نے اپنے دکھ اور اپنی مجبوریوں کو بھلا کر جھولیاں بھر بھر کے ان محتاجوں میں بانٹ دیں۔ میں

جانتی ہوں کہ یہی نجات کا راستہ ہے یہ ایک ایسی میزان ہے اور اعمال تحریر کرنے والا ایک ایسا قلم ہے جس کا توازن ذرا سی اونچ نیچ سے بگڑ سکتا ہے۔

میں تو ایک کسان کی بیوی ہوں، مجھے ابد تک یہاں تو نہیں رہنا ہوگا۔ دُنیا میں صرف کچھ دن گزارنے ہیں اور اس کے بعد زمین میں سمانا ہے۔ اسی لئے تو مجھے زمین سے پیار ہے۔

ایک گیت

۱۔ جو کچھ میں نے دیکھا ہے، تو سننا جا

ہم یارقند کو فتح کر کے لوٹیں گے۔

۲۔ پہلے تو ملکۂ وکٹوریہ نے کہا کہ یہ اہم کارنامہ کون سرانجام دے گا؟ فورسائتھ بڑا ہی زور آور ہے یقیناً وہ یارقند پر ہمارا سکہ بٹھا دے گا۔ اور یارقند کا حکمران ہمیں خراج ادا کرتا رہے گا۔

۳۔ اِن لوگوں نے لندن سے یارقند کا طویل اور دشوار گذار سفر طے کر کے ہر طرف شہرت حاصل کی طے یہ پایا کہ یارقند کی مہم پر روانہ ہونے سے پہلے سونامرگ (کشمیر) کی بہار کا لطف اُٹھایا جائے۔

۴۔ — انگریز حاکموں کی امداد کے سلسلے میں (کشمیر کے مہاراجہ کا یہ حکم بلتستان سے بھی آگے پہنچ گیا کہ انگریزوں کی اس مہم کی ہراول میں پہلے تو بلتی آگے جائیں گے اور اُن کے بعد کشمیری۔ یہی پیغام لے کر پیش قدمی کریں گے۔ کہ ہم یارقند کو فتح کریں گے۔

۵۔ (سونامرگ میں بہار کا لطف لیتے ہوئے) انگریز حاکموں نے رسد کے سلسلے میں کشمیر کی وادی کے اطراف واکناف میں منادی کی۔ سب سے پہلے مرآز پرگنہ کی باری آئی اور لوگ چلا اُٹھے کہ ہم ناواقف لوگوں کو کس نامعلوم منزل کی طرف ہانکا جائے گا۔

۶۔ بلتستان کے لوگ اردل میں آگے آگے روانہ ہوئے اور ان کے گھروں میں دوسرے مرحلے پر مرآز کے کشمیری باشندوں نے قیام کیا۔ گھوڑے تو ڈاک کی سروس میں جُت گئے۔ اور بلتستان کا مقامی جانور زمیا (ZAMBA) گھوڑوں کی خوراک کے لئے گھاس لادنے کے کام آیا۔

۷۔ اُدھر وادی میں کمک کے لئے لکڑی اور گھاس جمع کرنے کے کام میں عورتوں کو بھی طلب کر لیا گیا۔ اُن میں کچھ مائیں تو نومولود بچوں کو دُودھ پلانے والیاں تھیں۔ اور کچھ حاملہ بھی تھیں۔

۸۔ جن دیہاتوں میں صرف مرغیاں دستیاب ہو سکتی تھیں وہاں گھوڑوں کی فراہمی کا مطالبہ کیا گیا۔ اور
جو لوگ ڈھور ڈنگروں کو ہانکنے کی مخصوص آواز سے بھی ناواقف تھے، وہی لوگ ہرے ہرے کہہ کر اُن حیوانوں کو ہانک کر تماشہ بن رہے تھے۔

۹۔ گھوڑے کے زین کا پچھلا حصہ لگام کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا۔ اور لگام کو گھوڑے کی دُم سے باندھا جا رہا تھا۔ گھاس کی رسیوں سے زین کو کسا جا رہا تھا اور چیتھڑے کا زین گھوڑے کی زینت بن گیا تھا......

۱۰۔ روٹی کے محتاج لوگوں کو بھی اس جبری بھرتی میں شامل کر لیا گیا.... تاکہ ہر طائفہ اپنی بنائی ہوئی چیزوں کی صورت میں رسد کی مہم کو کامیاب بنائے۔ کمہاروں کو حکم ملا کہ مٹی کے برتنوں کا انبار لگایا جائے۔

۱۱۔ کمہار کی بیوی نے اپنے میاں سے کہا کہ اے نادان شخص۔ بھٹی کو گرم کرنے کی بھلا ضرورت ہی کیا ہے اس افراتفری میں تو کچے برتن بھی بک جائیں گے۔

۱۲۔ گوالے نے گوالن سے کہا کہ چلو دونوں چلتے ہیں اور گائے کے لئے کوئی جگہ تلاش کرتے ہیں۔ تم صرف سوکھے گھاس کی ایک گٹھڑی سر پر اُٹھائے چلو، اور پھر دیکھو کہ چارے کی قلت کے اس عالم میں کتنی گائیں تمہارے پیچھے دوڑتی نظر آئیں گی۔

۱۳۔ گوالا دُودھ کا گھڑا اور دودھ بانٹنے والے برتن ہاتھ میں لئے گھر سے نکلا لوگ سفر کی تپش میں گوالے کو جنت کا دربان سمجھنے لگے۔

۱۴۔ موچی نے اپنی بیوی سے کہا کہ یہ بات میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھی تھی کہ جُوتے تیار کرنے کا سارا سامان اور چمڑا لے کر یہ لوگ مجھے خود بھی اپنے ساتھ چلنے کا حکم دے رہے ہیں۔

۱۵۔ بیوی نے کہا کہ تو اُن سے کہہ دیتا کہ ہمیں یہ سب کام کرنے نہیں آتے۔ موچی نے جواب دیا کہ نیک بخت میں نے یہ تمام باتیں کہی تھیں۔ لیکن وہ نہیں مانتے، ان کا نعرہ تو بس یہ ہے کہ

ہم یارقند فتح کر کے آئیں گے۔

۱۶۔ اب مختلف طائفوں کے اعداد و شمار جمع کیے گئے۔ لوہاروں کی طلبی ہوئی اور وہ اپنا ساز و سامان سروں پر اُٹھائے چلّاتے رہے کہ ہم لوگ راستے میں کہاں کوئلہ تلاش کرتے پھریں گے اور برفیلے راستے میں کس جگہ اپنی دکان لگائیں گے؟۔ لیکن گھوڑوں کے نعل تیار کرنے کی بیگار میں لوہاروں کا بُرا حال ہو گیا۔

۱۷۔ میں (شاعر) اس لحاظ سے بڑا خوش ہوا کہ نائی اور بڑھئی کو بھی اس مہم میں پکڑ

کرے گئے اور ان کے گھر والے لٹھے کی چادروں میں چاول لئے اُن کے پیچھے پیچھے بھاگتے رہے کہ کھانے پینے کا کچھ تو سامان ہو۔

۱۸۔ نائی اور بڑھئی کی بیویاں آپس میں مشورے کر رہی تھیں کہ گذارہ کیسے ہو؟۔ آخر یہ طے پایا کہ لوگوں سے اُون اور کپاس لے کر چرخے کاتتی رہیں گی اور یوں زندہ رہنے کے لئے مزدوری مل ہی جائے گی۔

۱۹۔ ابھی صابر تیلی یہیں تک کہہ پایا تھا کہ صاحب کے آنے کی خبر ملی۔ معلوم ہوا کہ انگریز صاحب پورے ساز و سامان کے ساتھ اپنی مہم سے واپس آگیا ہے۔

دردستان کے شہزادے

کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں بانہال کے پہاڑ پیر پنجال پر ایک مَردم خور اژدھا ظاہر ہُوا جو سینکڑوں آدمیوں کو کھا گیا۔ اس خوف ناک اژدھے کی وجہ سے لوگوں کے آنے جانے اور تجارت کا یہ واحد راستہ بند ہو گیا۔ ہوتے ہوتے بات دربار تک پہنچی اور کشمیر کے حاکم نے شہر دسری نگر، سے ایک فوجی پلٹن کو پیر پنجال کی طرف روانہ کر دیا تاکہ اس بلائے ناگہانی سے لوگوں کو نجات مل سکے۔ لیکن اژدھے کے خلاف شاہی لشکر کی ساری کوششیں بے سُود ثابت ہوئیں۔ کیونکہ اژدھا پہاڑ کی چوٹی پر ایک ایسی جگہ رہتا تھا جہاں تک پہنچنے کے لئے سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی صرف ایک پگڈنڈی موجُود تھی اور اژدھے کے مُنہ سے نکلتے ہوئے زہریلے شعلوں کی وجہ سے چوٹی پر ایک نیلی سی دُھند کے سوا کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ جو آدمی بھی زرہ بکتر سے لیس ہو کر چوٹی کی طرف جاتا وہ اس نیلی دُھند کے حلقے تک پہنچنے سے پہلے ہی زہر کے اثر سے گر کر ہلاک ہو جاتا۔

بادشاہ نے اژدھے کو ہلاک کرنے کے لئے بڑے بڑے انعامات کا اعلان کیا، لیکن

نیلی دُھند کے حلقے سے کوئی بھی سورما واپس نہیں آیا کہ شاہی انعام کا مستحق ٹھہرے۔ آخر شاہی دربار کے دو دردستانی مسخروں نے اس مہم کو سر کرنے کی اجازت طلب کی۔ یہ دونوں بھائی جو دردستان کے چھوٹے دبلتستان یا گلگت کے باشندے تھے اصل میں کوئی پیشہ ور مسخرے نہ تھے بلکہ مقدر کے ستائے ہوئے دو شہزادے تھے جنہوں نے دراس، چیلاس اور زنسکار کے علاقوں میں محلاتی سازشوں اور قبائلی نفرتوں کے ایک طویل چکر میں اپنی جانیں بچانے کے لئے جلا وطنی کی زندگی اختیار کر رکھی تھی۔ آخر ان دونوں بھائیوں نے پیر پنجال کے اژدھے کو ہلاک کرنے کا بیڑہ اُٹھا کر اپنے مقدر کو آزمانے کا عزم کیا۔

دونوں بھائیوں نے کئی روز تک سفر کا سامان اکٹھا کیا۔ لیکن یہ سامان، کھانے پینے یا سامانِ جنگ اور گولہ بارود پر مشتمل نہ تھا بلکہ دو چھوٹی تھیلیاں تھیں جو اُنہوں نے اپنی اپنی گردن میں لٹکا رکھی تھیں۔ ان تھیلیوں میں کچھ جڑی بوٹیاں تھیں جن سے کشمیر کے لوگ ناواقف تھے، البتہ دونوں تھیلیوں سے پیاز اور لہسن کی خوشبو کو دُور سے سونگھا جا سکتا تھا۔ اِن تھیلیوں کے علاوہ صرف ایک ایک کمان اور کچھ تیر تھے جو ترکشوں میں ڈال کر دونوں بھائی اللہ کا نام لے کر سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی پگ ڈنڈی پر چل دیئے۔

سارا لشکر جانتا تھا کہ نیلی دُھند کے قریب پہنچ کر یہ دونوں بھائی بھی اپنے پیشروں کی طرح اچانک زمین پر گر پڑیں گے اور اژدھے کی خوراک بن جائیں گے لیکن جوں جوں وہ پہاڑ کی چوٹی کے قریب پہنچتے گئے، نیلی دھند کا حلقہ بھی کم ہوتا گیا، یہاں تک کہ اس دائرے میں کچھ شعلے سے بھڑکتے دکھائی دینے لگے۔

دونوں بھائیوں نے، جن کے منہ اپنی اپنی تھیلیوں میں ڈھکے ہوئے تھے، پُوری قوت سے دو تیر چلائے اور تحلیل ہوتی ہوئی نیلی دُھند میں اُبھرتے ہوئے دونوں شعلے

بجھ گئے۔

تب دردستان کے اِن شہزادوں نے شاہی فوج کو چوٹی کی طرف آنے کا اشارہ کیا۔ چوٹی پر پہنچ کر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک مہیب اژدھا ملبے کے ڈھیروں کی طرح مُردہ حالت میں پڑا ہوا ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ دردستان کے شہزادے جادوگر تھے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اُن کی ہتھیلیوں میں لہسن اور پیاز سے ملتی جلتی کوئی انوکھی جڑی بوٹیاں تھیں، جن سے زہر کی نیلی دھند چھٹ گئی۔ لیکن اس بات پر تو سبھی متفق ہیں کہ اژدھے کی دونوں آنکھوں میں جو تیر پیوست تھے وہ بہرحال کسی جادو کا کرشمہ نہ تھا — بلکہ دردستان کے اِن تیر اندازوں کی نشانہ بازی کا کمال تھا۔ ان میں ایک شہزادہ تو وہی تھا جو کشمیر کے ایک درباری رئیس کی خوب صورت لڑکی سے بیاہ کرکے وادی میں سکونت پذیر ہوا۔ اور دوسرے بھائی نے حاکم کشمیر کی مدد سے اپنی کھوئی ہوئی حکومت دوبارہ حاصل کر لی۔ کہتے ہیں کہ اِس شہزادے نے کشمیر کی ایک ہندو لڑکی سے شادی کر لی تھی جو مسلمان ہو کر سیتا رانی کے بجائے مُسلم بیگم کہلوائی اور ستونہ مرگ سے لے کر چھنر گل تک کشمیر کا سرحدی علاقہ بادشاہ نے اُسے جہیز کے طور پر دے دیا۔

یہ بھی روایت ہے کہ بلتستان کی کھپچے مسجد (کشمیری مسجد) ہی وہ پہلی مسجد ہے جو اس خاتون کے ہمراہ آنے والے کشمیری مسلمانوں نے اس علاقے میں تعمیر کی تھی۔

نیلی دُھند کے حلقے سے کوئی بھی سُورما واپس نہیں آیا کہ شاہی انعام کا مستحق ٹھہرے۔ آخر شاہی دربار کے دو دردستانی مسخروں نے اِس مہم کو سر کرنے کی اجازت طلب کی۔ یہ دونوں بھائی جو دردستان کے بھوٹے (بلتستان یا گلگت کے باشندے) تھے اصل میں کوئی پیشہ ور مسخرے نہ تھے بلکہ مقدر کے ستائے ہوئے دو شہزادے تھے جنہوں نے دراس، چیلاس اور زنسکار کے علاقوں میں محلّاتی سازشوں اور قبائلی نفرتوں کے ایک طویل چکّر میں اپنی جانیں بچانے کے لئے جلا وطنی کی زندگی اختیار کر رکھی تھی۔ آخر اِن دونوں بھائیوں نے پیر پنجال کے اژدھے کو ہلاک کرنے کا بیڑہ اُٹھا کر اپنے مقدر کو آزمانے کا عزم کیا۔

دونوں بھائیوں نے کئی روز تک سفر کا سامان اکٹھا کیا۔ لیکن یہ سامان، کھانے پینے یا سامانِ جنگ اور گولہ بارود پر مشتمل نہ تھا بلکہ دو چھوٹی تھیلیاں تھیں جو اُنہوں نے اپنی اپنی گردن میں لٹکا رکھی تھیں۔ ان تھیلیوں میں کچھ جڑی بوٹیاں تھیں جن سے کشمیر کے لوگ ناواقف تھے، البتہ دونوں تھیلیوں سے پیاز اور لہسن کی خوشبو کو دُور سے سونگھا جا سکتا تھا۔ اِن تھیلیوں کے علاوہ صرف ایک ایک کمان اور کچھ تیر تھے جو ترکشوں میں ڈال کر دونوں بھائی اللہ کا نام لے کر سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی پگ ڈنڈی پر چل دیئے۔

سارا لشکر جانتا تھا کہ نیلی دُھند کے قریب پہنچ کر یہ دونوں بھائی بھی اپنے پیشروؤں کی طرح اچانک زمین پر گر پڑیں گے اور اژدھے کی خوراک بن جائیں گے لیکن جوں جوں وہ پہاڑ کی چوٹی کے قریب پہنچتے گئے، نیلی دُھند کا حلقہ بھی کم ہوتا گیا، یہاں تک کہ اس دائرے میں کچھ شعلے سے بھڑکتے دکھائی دینے لگے۔

دونوں بھائیوں نے، جن کے منہ اپنی اپنی تھیلیوں میں ڈھکے ہوئے تھے، پُوری قوت سے دو تیر چلائے اور تحلیل ہوتی ہوئی نیلی دُھند میں اُبھرتے ہوئے دونوں شعلے

بُجھ گئے۔

تب دردستان کے اِن شہزادوں نے شاہی فوج کو چوٹی کی طرف آنے کا اِشارہ کیا۔ چوٹی پر پہنچ کر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک مہیب اژدھا ملبے کے ڈھیروں کی طرح مُردہ حالت میں پڑا ہُوا ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ دردستان کے شہزادے جادوگر تھے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اُن کی تھیلیوں میں لہسن اور پیاز سے ملتی جُلتی کوئی انوکھی جڑی بوٹیاں تھیں، جن سے زہر کی نیلی دُھند چھٹ گئی۔ لیکن اس بات پر تو سبھی متفق ہیں کہ اژدھے کی دونوں آنکھوں میں جو تیر پیوست تھے وہ بہر حال کسی جادو کا کرشمہ نہ تھا —— بلکہ دردستان کے اِن تیر اندازوں کی نشانہ بازی کا کمال تھا۔ ان میں ایک شہزادہ تو وہی تھا جو کشمیر کے ایک درباری رئیس کی خوب صورت لڑکی سے بیاہ کر کے وادی میں سکونت پذیر ہُوا۔ اور دوسرے بھائی نے حاکم کشمیر کی مدد سے اپنی کھوئی ہوئی حکومت دوبارہ حاصل کر لی۔ کہتے ہیں کہ اِس شہزادے نے کشمیر کی ایک ہندو لڑکی سے شادی کر لی تھی جو مسلمان ہو کر سیتارانی کے بجائے مُسلم بیگم کہلوائی اور سونہ مرگ سے لے کر چھنر گل تک کشمیر کا سرحدی علاقہ بادشاہ نے اُسے جہیز کے طور پر دے دیا۔

یہ بھی روایت ہے کہ بلتستان کی کھچے مسجد (کشمیری مسجد) ہی وہ پہلی مسجد ہے جو اس خاتون کے ہمراہ آنے والے کشمیری مسلمانوں نے اس علاقے میں تعمیر کی تھی۔

کالا چور

یہ اُس زمانے کی بات ہے جب کشمیر کے ارد گرد چھوٹی چھوٹی پہاڑی ریاستیں کشمیر کے بادشاہ کو خراج دیتی تھیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شیر گڑھی میں مختلف رجواڑوں سے آئے ہوئے شہزادے بادشاہ کے دربار میں جمع تھے اور ہر ایک شہزادہ اپنی ریاست کی خوبیاں بیان کر کے بادشاہ کو اپنی راجدھانی کا دورہ کرنے کی دعوت دے رہا تھا۔ ایک پہاڑی ریاست کے شہزادے نے باتوں باتوں میں اُن مختلف راجکماروں کا بھی تذکرہ کیا جو اس کی بہن سے شادی کرنے کی غرض سے اُس ریاست میں آئے لیکن راجکماری کی شرط سے گھبرا کر خالی ہاتھ واپس چلے گئے۔ بادشاہ نے یہ سوچ کر اُس باجگزار ریاست میں جانے کی دعوت قبول کر لی اور راجکمار کے ساتھ جانے پر آمادہ ہو گیا۔

یوں تو اس چھوٹی سی پہاڑی ریاست کے قدرتی مناظر اور شاہی محل سے لے کر کھیتوں میں بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے مکانوں تک ہر ایک چیز دل کو لبھاتی تھی لیکن اس علاقے کی ساری خوب صورتی اور اچھائی راجکماری کے روپ میں سما گئی تھی۔ بادشاہ

راجکماری کو دیکھتے ہی اُس پر عاشق ہو گیا اور اُس نے ہر صورت میں شادی کر لینے کی ٹھان لی۔

بادشاہ نے راجکماری کو شادی کی پیش کش کی، تو اُس نے جواب دیا کہ جناب میں تو نہ جانے کب سے اسی خواہش کو اپنے دل میں چھپائے بیٹھی ہوں کہ آپ جیسے بادشاہ کی ملکہ بن جاؤں تاکہ میرا بیٹا آپ کی بیٹی سے شادی کر سکے۔"

بادشاہ نے راجکماری کی اس عجیب و غریب خواہش یا شرط کو جیسے سُنا ہی نہیں اور اُسے اپنی دلہن بنا کر سری نگر لے گیا۔ نئی دلہن دو چار روز تک بادشاہ کی توجہ کا مرکز بنی رہی، اور اس کے بعد محل میں موجود دوسری رانیوں کی طرح بادشاہ کے ذہن سے اُتر گئی۔ پہاڑی شہزادی کے لئے بادشاہ کا یہ رویّہ اور محل کا تنگ ماحول بالکل اجنبی تھا اور وہ کچھ دنوں بعد اپنے میکے واپس چلی گئی۔ وہ انتظار کرتی رہی کہ اب بادشاہ کی طرف سے بس کوئی نہ کوئی قاصد بُلاوا لے کر آئے گا۔ لیکن نو مہینے اسی انتظار میں گزر گئے۔ اس دَوران میں پہاڑی شہزادی نے ایک خوب صُورت اور صحت مند بچے کو جنم دیا جس کا کوئی شاہانہ نام رکھنے کے بجائے وہ اُسے کالے خان کے نام سے پکارتی تھی۔ ننھیال والوں نے اُسے راجکماروں کی طرح پالا پوسا، اور تمام شاہی فنون سکھائے۔ لیکن اُس کی ماں اُسے چوری کا فن سکھانے پر تُلی ہوئی تھی۔ پہاڑی شہزادی نے اس کام کے لئے دُور دُور سے عادی اور بدنام چوروں کو بُلا کر اپنے بیٹے کا اُستاد مقرر کیا، اور دیکھتے ہی دیکھتے "کالے خان" اس فن میں اتنا طاق ہوا کہ اُس کی ماں پیار سے اُسے "کالا چور" کہہ کر پکارنے لگی۔

ایک دن ماں نے بیٹے کو تنہائی میں بُلا کر کہا کہ بیٹا کبھی تم نے یہ بھی سوچا ہے کہ یہ فن میں نے تمہیں کیوں سکھلایا؟ بیٹا بولا کہ امی جان یہ بات تو مجھے نہیں معلوم، لیکن اتنی سی بات تو میں بھی محسوس کرتا ہوں کہ شعر و شاعری، بحث و تمحیص اور نیزہ بازی۔ یا

تیراندازی کے مقابلے میں مجھے چوری چکاری کے کرتب دکھانے میں زیادہ لطف آتا ہے - یہ باتیں سُن کر ماں پھوٹ پھوٹ کر رو دی اور کہنے لگی کہ بیٹا میں نے تمہیں یہ فن ایک خاص مقصد کے لئے سکھایا ہے اور وہ ہی مقصد میری زندگی کا حاصل ہے .....
بیٹا، ماں کو روتے ہوئے دیکھ کر خود بھی رو پڑا، اور بولا کہ ماں تو مجھے آسمان کے تارے توڑ کر لانے کا بھی حکم دے تو میں تیری یہ خواہش بھی پوری کر کے دکھاؤں گا - لیکن میں تجھے رُوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا -

ماں بولی ــ" بیٹا تجھ کو یہ تو معلوم ہے کہ تُو کشمیر کے بادشاہ کا بیٹا ہے اور تیرے ننھیال والے اُس کے باجگزار ہیں لیکن تجھے شاید یہ نہیں معلوم کہ تیرے باپ نے مجھے بغیر کسی وجہ کے ٹھکرا دیا ہے اور میرا کلیجہ صرف اسی صورت میں ٹھنڈا ہو گا جب تو بادشاہ کو اس حد تک ستائے کہ وہ تجھے اپنی بیٹی کا رشتہ پیش کرے اور تو اِس رشتے کو حقارت سے ٹھکرا دے -

ماں کی یہ داستان سُن کر بیٹے نے چُپ چاپ رخصت چاہی اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کشمیر کے دربار کی طرف روانہ ہُوا - شاہی محل میں ملازمت حاصل کرنا اس کے لئے کوئی مشکل کام نہ تھا - وہ سری نگر پہنچتے ہی شیر گڑھی کے شاہی ملازموں میں شامل ہو گیا، اور ہوتے ہوتے بادشاہ کے خاص پہریداروں میں بھرتی ہو کر "محافظِ اعلیٰ" کے عہدے تک جا پہنچا -

اب "کالا چور" ہاتھ کی صفائی دکھانے کے فن کا مظاہرہ کرنے کی طرف متوجہ ہوا -
پہاڑی شہزادے کی وارداتوں سے دیکھتے ہی دیکھتے پُورے شہر میں کھلبلی مچ گئی اور یہ شکایتیں شاہی دربار میں بھی آنے لگیں ...... پولیس نے کشمیر کے سارے ہی چوروں کو گرفتار کیا، لیکن چوریوں کی وارداتیں تھمنے کا نام ہی نہیں لیتی تھیں -
اب شاہی محل کی باری آئی اور قیمتی چیزیں چوری ہونے لگیں - بادشاہ عجیب مخمصے میں

گرفتار تھا۔ انتظامیہ کی ساری تدبیریں بیکار ثابت ہو رہی تھیں۔ اور عوام بغاوت پر آمادہ ہو رہے تھے۔ آخر بادشاہ نے یہ منادی کروا دی کہ جو شخص اصل چور کو گرفتار کرے گا، اُس سے بادشاہ اپنی اکلوتی بیٹی کا بیاہ کر دے گا۔

اس اعلان کے بعد عام دربار لگایا گیا تاکہ کوئی شخص اپنے آپ کو اس کام کا اہل ثابت کر سکے۔ تب لوگوں نے دیکھا کہ شاہی محافظوں کا سردار سامنے آیا اور بادشاہ سے کہا کہ حضور میں "کالا چور" ہوں اور شہر کی تمام چوریاں میں نے ہی کی ہیں ثبوت کے طور پر اُس نے اُن جگہوں کی نشان دہی کی، جہاں اُس نے چوری کا مال چھپا کر رکھا تھا۔ بادشاہ نے اطمینان کا سانس لیا، اور حسبِ وعدہ اپنی بیٹی کو "کالے چور" کی دلہن بنانا چاہا لیکن کالے چور نے گذارش کی کہ اُسے شادی سے پہلے اپنی ماں کی اجازت درکار ہے جو یہیں کہیں مجمع میں چادر میں مُنہ چھپائے کھڑی ہے۔ یہ سُن کر کالے چور کی ماں ایک چادر اُوڑھے ہوئے کالے چور کی طرف آئی اور اُس کے کان میں کوئی بات کہہ دی۔ کالے چور نے پوری نفرت سے اعلان کیا کہ مجھے بادشاہ کی بیٹی کا رشتہ منظور نہیں، اور میں اِس پیشکش کو ٹھکراتا ہوں۔

بادشاہ ندامت سے پانی پانی ہو رہا تھا اور اُس نے نقاب پوش عورت سے کہا کہ بہن تُم مجھے کن گناہوں کی سزا دے رہی ہو، اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو مجھے معافی دو، یہ سُنتے ہی نقاب پوش عورت نے نقاب اُلٹ کر کہا کہ جہاں پناہ! میں آپ کی بہن نہیں ہوں بلکہ وہ پہاڑی راجکماری ہوں جس سے آپ نے شادی کی درخواست کی تھی۔

بادشاہ اور دربار میں حاضر تمام لوگ حیران ہو کر یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ اُن کی آنکھیں اور اُن کے کان اِس منظر کو دیکھتے اور سُنتے ہوئے بھی اس پر یقین نہیں کرتے تھے۔ تب پہاڑی شہزادی نے کہا کہ میں کشمیر کی وہ ملکہ ہوں، جسے آپ نے کسی خطا کے بغیر زندگی بھر

جدائی کا دکھ جھیلنے کی سزا دی، اور آج میں آپ کی بیٹی کا رشتہ ٹھکرا کر آپ کو اپنی وہ خواہش یاد دلانا چاہتی ہوں جس کا ذکر میں نے شادی سے پہلے یہ کہہ کر کیا تھا کہ :

"میں آپ جیسے بادشاہ سے شادی کرنا چاہتی ہوں تا کہ میرا بیٹا آپ کی بیٹی سے شادی کر سکے ۔"

بادشاہ شرمندگی سے سر جھکائے کھڑا تھا۔ وہ پہاڑی ملکہ کے قدموں پر گرنے لگا لیکن ملکہ نے جھک کر بادشاہ کو تھام لیا..... اب بادشاہ کی نظریں "کالے چور" کی طرف اٹھیں۔

"پیارے لوگو"۔ بادشاہ نے اعلان کیا ۔" آج سے میرا یہ بیٹا تمہارا بادشاہ ہوگا"۔ اور لوگوں نے خوشی سے تالیاں بجائیں ۔

This is the first book in Urdu devoted to Kashmiri folk tales. We started collection a few years ago. The Institute has undertaken a programme of translation whereby all important oral traditions existing in the regional languages would be offered in Urdu for wider acceptance and appeal. We hope the book will prove useful to scholars and students interested in the study of Pakistani Culture.

FT-783-0i

KASHMIRI FOLK TALES

Chief Editor : Uxi Mufti
Editor : Mazhar-ul-Islam
Research
Translation : Rasool Taus Banehali
Title Design : Farooq Qaiser
Calligraphy : M. Aslam Cheema

First published 1978 by Institute of Folk Heritage, Islamabad

Printed by Allied Press, 26-The Mall, Lahore



کشمیری داستاں گو حاتم تیلی

جنہوں نے دوسری جنگ عظیم کے زمانے میں وفات
پائی کہا جاتا ہے اس وقت ان کی عمر ۸۰ برس
کے لگ بھگ تھی